

ڈھالکے دوپاٹ

بجھ سے
شفقت
سے گھر
کے ہر کونے

زہرہ مسحور

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ناشر : "مسیح پبلیشنگ ہاؤس" شاہ گنج ۹۱۲-۳-۲۰ حیدرآباد-۲۔ ۵۔

۱۹۹۱ء

سال اشاعت :

591.42901

ایک ہزار

تعداد :

سید عبدالحمید

کتابت :

ڈاکٹر پرویس

طباعت سرورق :

20H

ڈاکٹر پرویس، ایرانی نگلی، منڈی میر عالم، حیدرآباد۔

طباعت :

قیمت (انڈون ملک) رجسٹری ڈاک : ۳۵ روپے

قیمت (بیرون ملک) رجسٹری ہوائی ڈاک : ۵۵ روپے

قیمت : ۲۵ روپے

ملنے کے پتے : (۱) زہرہ مسحور، ۹۱۲-۳-۲۰،

شاہ گنج چوک، حیدرآباد-۲ (۱-۷-پی)

(۲) حاذق اینڈ موہی

ری ریکس سیلر اینڈ ایکسپورٹر

۸۱۹-۴-۲۰ عقب مسجد چوک، حیدرآباد-۲

چیک، بینک ڈرافٹ یا رقم بھیجنے کا پتہ :

زہرہ مسحور، ۹۱۲-۳-۲۰، شاہ گنج چوک، حیدرآباد-۲ (۱-۷-پی)

(اکاؤنٹ نمبر 28/10054) ایٹھ بینک آف حیدرآباد

حسینی علم برائے شاہ گنج، حیدرآباد۔



انتساب...

A cc. No.

349

برادرِ مرحوم محمد سعید احمد کے نام، جن کا برتاؤ مجھ سے
 بزرگانہ کی بجائے ہمیشہ دوستانہ رہا۔ اُن کی ایسی محبت و شفقت
 کا اب کوئی بدل نہیں۔ بحرِ ملکہ بھابھی کے جنہوں نے ہمارے گھر
 میں جہاں پہلے چراغ جلتے تھے اپنے حسین چہرے سے گھر کے ہر کونے
 کھدرے کو ایک ضیاء بخش دی۔

_____ اس مجموعہ کی تمام کہانیاں باتوں اختیاری
اطلاعات پر مبنی ہیں یا پھر مفروضہ۔ ان میں کہیں سے
بھی مطابقت اصل واقعات کے تئیں محض اتفاقاً
ہوگی۔

(زمرہ مسکور)

تمہید

اپنی کہانیوں کے بارے میں تمہیداً عرض ہے کہ ان کو لکھتے ہوئے وہ ہر بار میرے اندر خیال بن کر آیا اور روشنائی بن کر نکل گیا۔ پس تخلیقی عمل میں یہی تو ہوتا ہے کہ وہ ہمیں غیر محسوس طریقے سے راہ دیکھاتا ہے۔ تب ہم کو کمر شموں پر یقین آتا ہے جب ہم کوئی کارنامہ انجام دے لیتے ہیں۔ تب خوشی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ آپ بھی کہانی کار ہیں تو اسی لائن پر سوچئے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے تب خیالات آپ کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے آتے محسوس ہوں گے۔

قارئین سے گزارش ہے تو صرف اتنی کہ وہ اس کتاب کی ترسیل

میں بڑھ پڑھ کر حصہ لیں تاکہ اس کا زکوٰۃ آگے بڑھانے میں مجھے مدد مل سکے۔

چلتے چلتے سعادت حسن منٹو کو خراج عقیدت پیش کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ مختصر کہانیوں کے امام تھے۔ جناب حمزہ حسن عسکری منٹو کی چھوٹی چھوٹی اور مختصر کہانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں — منٹو کے یہ افسانے سچی ادبی تخلیقات ہیں۔ اس لئے یہ افسانے ہمیں اخلاقی طور پر بھی چونکاتے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان ہر وقت بیک وقت انسان بھی ہوتا ہے اور حیوان بھی۔ اس میں خوف کا پہلو یہ ہے کہ انسانیت کے احساس کے باوجود انسان حیوان بننا کیسے گوارہ کر لیتا ہے، اور تسکین کا پہلو یہ کہ وحشی سے وحشی بن جانے کے بعد بھی انسان اپنی انسانیت سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ منٹو کے ان افسانوں میں یہ دونوں ہی پہلو موجود ہیں۔ خوف بھی اور دلاسا بھی۔

بحر حال منٹو کا یہ راستہ پُر بیچ نہیں بلکہ سیدھا سا راستہ ہے جس کی لابی مسافت دیکھ کر ہی ہمیں خوف آگھیرتا ہے کہ کہیں یہ سُراب تو نہیں۔ اس مجموعہ کی ایک کہانی ”غلطی“ منٹو کی ایک پرانی کہانی ”اصلاح“ کی یاد ضرور دلا دے گی کہ منٹو کے خیالات سے میرے خیالات کتنے قریب ہیں۔

ناقدرین فن سے گزارش ہے کہ وہ اگر چاہیں تو ان کہانیوں کی اچھائی یا بُرائی کے بارے میں اپنے اچھے یا بُرے خیالات سے نواز کر

ممنون فرمائیں۔

مزید ایک بات اور، وہ یہ کہ حاجی انیس دہوی صاحب ایڈیٹر
”فلمی ستارے“ جن سے تاحال میرے قلمی روابط رہے ہیں اپنی کہانیوں کے
بارے میں ”جنہوں نے مجھے قارئین سے روشناس کرا کے ایک اچھے صحافی کا
کردار نبھایا ہے۔ اور میری ایسی کہانیوں کی بھی پذیرائی کی ہے جہاں
فرشتوں کے بھی پر جل جلتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ”غازی صحافی“ کہلانے
کے مستحق ہیں۔ — خدا ان کی عمر اور اقبال میں ترقی دے اور وہ اسی
طرح رہبری کے فرائض انجام دیتے رہیں۔

اس مجموعہ میں ایک نوٹو جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ میرے
مرحوم بھائی کی ہے جن کا انتقال ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو بحرین میں ہوا۔
وہ پاکستانی تھے لیکن اپنے بچوں سے ملنے وہاں چھٹیوں پر گئے ہوئے
تھے جو وہاں کاروبار کرتے ہیں۔ ساتھ میں ان کی بیوی یعنی ہماری بھابھی
ملکہ ہیں، نام کی ہی نہیں بلکہ کردار و گفتار کی بھی ملکہ۔

ان دونوں کا تعارف قارئین کے لئے اس لئے بھی پیش ہے کہ وہ میری ایک
کہانی ”تقسیم ضرب تقسیم“ کے کردار بھی ہیں جو مئی ۱۹۹۰ء کے ”فلمی ستارے“
میں چھپی تھی۔ اس مجموعہ کو میں نے ان ہی کے نام منسوب کیا ہے کہ ان کا حق
مجھ پر زیادہ بنتا ہے۔ اس لئے بھی کہ والد صاحب اور مجھ میں تو حوا ادب
کی ایک خلیج تھی۔ لیکن بھائی صاحب اور میرے درمیان ہم آننگی تھی۔

وہ اس طرح کہ اُن کا چہرہ دیکھ کر میرے لئے اُن کے دل کی بات جان لینا کوئی مشکل نہیں تھا اور میرا چہرہ دیکھ کر وہ میرے دل کی حقیقت جان جاتے تھے — دیکھئے لکھتے لکھتے شاید میرے خیالات نفس مضمون سے ہٹ گئے ہیں۔

بحر حال کہنا تو یہ ہے کہ کہانیاں آپ کے سامنے ہیں۔ انہیں پڑھیئے لیکن ان کہانیوں کی اچھائی یا بُرائی کا صلہ مجھے نہ دیجئے بلکہ زمانہ کو دیجئے جو اس کا ذمہ دار ہے۔

آخر میں یہ بتلانا بھی نہایت ضروری ہے کہ اس مجموعہ کی تیاری اور اس کے منظر عام پر آنے تک کے تمام معاملات و مرحلات میں بہنوئی ملک عباس علی خان و برادرِ خورد محمد سعید احمد کی خدمات بھی بُھلائی نہ جاسکیں گی جن کے توسط سے ہی یہ مجموعہ منظر عام پر آسکا ورنہ شاید یہ میرے اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی۔ توقع ہے کہ وہ آئندہ بھی اس طرح سے قارئین کی فرمائش پر اپنی خدمات سے نوازتے رہیں گے — مزید کوئی اپنی کتاب چھپوانا چاہتے ہیں تو ان کا ادارہ ”مسح پبلشنگ“ نہ صرف معتبر بلکہ ذمہ دارانہ حد تک معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

زمہرہ مسجور

۵ مارچ ۱۹۹۱ء

پیش لفظ

یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں نہیں بلکہ پیہ پیہ
واقعات ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں آپ اخبار میں کہیں نہ کہیں
کسی نہ کسی شکل میں پڑھے یا سُنئے ہوں گے۔ لیکن موجودہ
شکل میں دوبارہ ان واقعات کو پڑھتے ہوئے آپ کا دل دہل
اُٹھے گا۔

اُلٹی تدبیر

وہ عبادت گاہ کو ڈائینا مائیٹ سے
اڑانے چلا۔ لیکن راستے میں ہی ڈائینا مائیٹ
پھٹ پڑا اور اس کے جسم کے چھٹیڑے اڑ گئے۔
اُس وقت جب اُس نے اپنی بٹری سلگانے دیا سلائی
جلانی تھی۔

شیطان الملک

ادلا بدلی کی کاروائی چل نکلی، ہر دو
 فرقوں میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ بالآخر
 جب کوئی باقی نہ رہا صرف لاشیں ہی لاشیں
 رہ گئیں تو ان لوگوں نے جو ایسی کاروائیوں میں
 مصروف تھے سوچنے لگے کاش! یہ لاشیں
 پھر سے زندہ ہو جاتیں تو ہم پھر انہیں قتل
 کر ڈالتے۔

بن بادل

ستیہ گرہ جتھوں میں وہ لوگ بھی شامل
 ہو گئے جو بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کیا کرتے
 تھے۔ کیوں کہ انہیں یہاں بھیک بن مانگے مل رہی
 تھی۔ انتظامیہ کی طرف سے جو ان جتھوں کو منظم
 کر رہی تھی۔

مدر راج

اندھیہ رنگری میں فسادات کا
 بازار گرم ہو گیا اور بے شمار گھرا بڑنے لگے
 تو پوچھو پٹ راجہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اُن لوگوں کی طرف
 سے جو راجہ کے مخالف تھے۔

گردِ شہِ ایم

ہزاروں کی تعداد میں بلوائی عبادت گاہ
 کو ڈھانے چلے۔ لیکن راستے میں ہی اُن کے سینے
 پھلنی ہو گئے..... ابا بیلوں کے چونچوں میں
 پکڑی ہوئی کنکریوں سے نہیں بلکہ پولیس کی گولیوں
 سے جو عبادت گاہ کی حفاظت کے لئے وہاں
 متعین کی گئی تھی۔

مکھی ٹو مکھی

کرفیو کے باوجود چھپرے بازی کی
وارداتوں میں اضافہ ہو گیا اور صورت حال
مزید ابتر ہونے لگی تو پولیس کو دیکھتے ہی گولی
مار دینے کا حکم دے دیا گیا۔

پولیس کے ایک جوان نے اس حکم
کی 'مکھی ٹو مکھی' تعمیل کی، اور ایک ایسے بوڑھے
شخص کو بھی گولی سے اڑا دیا جو بنگلے کی کھڑکی سے
باہر جھانک رہا تھا۔

یاشیح اپنا اپنا دیکھ

”بڑی خوشی کی بات ہے کہ گھر بڑا زردہ
علاقوں میں کرنیو کے باوجود دودھ بڑی پابندی سے
مقررہ دامنوں پر ملتا رہا لیکن اخبارات
نہیں“

”دودھ حکومت کے ڈائری فارم کا ہوتا
ہے بھئی! اگر سربراہ نہ کیا جائے تو سڑنے جائے۔
لیکن اخبارات حکومت کے کہاں ہوتے ہیں —
ان کو تو موقع ملتا ہے بس ان ہی دنوں کھانے کا
جو اخبارات کے ہاگرتے ہیں۔“

کنویں کے مینڈک

تاریخی عمارتیں اُن کی نظروں میں کھٹکنے
 لگیں تو وہ انہیں ڈھادینے کی سوچنے لگے
 ”لیکن یہ مشکل ہے۔“ ب نے عالمی رائے
 عامہ کے پیش نظر کہا۔
 ”کوئی مشکل نہیں“ ا نے کہا۔ ”ثابت کر دو
 کہ یہ تاریخی عمارتیں ہیں ہی نہیں۔ بلکہ کسی زمانے میں
 یہ مذہبی مقامات تھے۔“
 ”واہ! ب نے ا کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”لیکن ثابت کیسے کیا جائے۔“
 پھر وہ سوچ میں پڑ گئے

ڈرا!

”میں نے کئی قتل کیے ذرا بھی
 کہیں نہیں ڈرا۔“
 ”لیکن لوگوں کو طبعی موت مرتے دیکھ کر
 مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔“



”رام مارا گیا ———!“

”محمد کا قتل ہو گیا ———!!“

افواہ اڑی اور دنگوں کے ساتھ ہی کر فیو

لگ گیا۔

کئی دنوں بعد کر فیو اُٹھا۔

رام اور محمد نامی دونوں ہی زندہ تھے۔

لیکن کئی لوگ رام اور محمد کے نام لیوا دنگوں

میں جنت اور پردہ لوک سدھار چکے تھے۔

آخری خواہش

گردن پر چھراہ کھ کر اُس نے مرنے والے
 سے اس کی آخری خواہش پوچھی۔
 مرنے والا گھسیٹ گھسیٹا ”مجھے مارو
 نہیں۔ مجھے چھوڑ دو۔“



حقیقی جنت

”مال کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ہوتی ہوگی پر دیکھا کس نے ہے
 — لیکن مجھے تو ہمیشہ اپنی گھر والی کے قدموں
 میں ہی حقیقی جنت نظر آئی۔“

ہائے افسوس

کرنیو لگا ہوا تھا۔ لیکن اتنا سخت نہیں۔
لوگ چھپتے چھپاتے آ اور جا رہے تھے۔

وہ بھی گھر سے باہر نکلا اس خیال سے کہ
مسجد جا کر نماز پڑھ لے گا۔۔۔۔۔ اور چوکنہ ہو کر
گذر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی پیٹھ
میں چھرا گھونپ دیا۔ ایک دردناک چیخ
کے ساتھ وہ وہیں ناک پر گرا اور سجدہ میں
ڈھیر ہو گیا۔



فرمائش

اُس نے ٹی۔ وی اور فریج کے ساتھ
 جھینر میں ایر کولر کی بھی فرمائش کر دی۔
 دلہن والوں نے کہا — ”ٹی۔ وی۔ اور
 فریج تو خیر۔۔۔ لے دیں گے۔ ایر کولر لے کر کیا کرو گے۔
 پانی کی بڑی قلت ہے۔ بغیر پانی کے اُسے چلانا
 بے کار ہے۔“
 ”تو پھر اسکو ٹر دے دو۔ وہ تو پٹرول
 سے چلتی ہے۔“

نیک خیال

”فسادات میں مجرم پر قانون کی گرفت
 مضبوط نہیں رہتی۔ تمہارا کیا خیال ہے۔“
 ”ہاں — میرا اگر بس چلے تو میں
 اس بات کو جلی حرفوں میں چھپوا کر عدالت میں
 جج کی کرسی کے ٹھیک پیچھے دیوار پر چسپال
 کروادوں۔“

قلّت

شہر میں گیس کے تیل کی بڑی قِلّت
ہو گئی۔ حتیٰ کہ چمراغوں میں بھی جلانے کے لیے
تیل نہ رہا۔

اس کے باوجود فساد، گھروں اور
دکانوں پر تیل کے کنسترا انڈیلتے رہے اور
انسانوں کو بھی اُس کے ساتھ جلا کر خاکستر کرتے
رہے۔

برکت

کرفیو میں چار دن کی مسلسل سختی کے بعد
جیسے ہی کچھ گھنٹوں کے لئے نرمی ہوئی تو کوٹھے پر
ایک آدمی نے آکر کھٹکا دیا۔

رنڈی نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ
کھول دیا۔

اُس آدمی نے جو آکر کھٹکا دیا تھا اپنا
پیٹ سہلاتا گھینگھیا یا ————— ”بھوک لگی
ہے مائی ! دیکھ پیٹ کیسے لگ گیا ہے۔ کچھ ہے
تو دے دے۔ بھگوان تیری کمائی میں برکت
دے گا۔

دوسرا رُخ

”معلوم ہے دوٹ دینے کی عمر اکیس سال سے اٹھارہ سال کر دی گئی ہے۔“

”اچھا ———! یعنی وہ لڑکے بھی دوٹ دے سکیں گے جن کی میس ابھی بھینگ رہی ہیں۔ اور وہ لڑکیاں بھی جن کے سینوں پر کی بھٹنیاں ابھی تھوڑی تھوڑی ابھری ہیں۔“

”ہاں — اور جو کینڈیڈیٹ ایسے انتخابات جیت کر سیاست میں آئیں گے وہ کیسے ہوں گے۔“

”ظاہر ہے — فلم ایکٹر ہوں گے۔“

نیکلی کر...

”اجی، ہم نے تو ان کے مذہبی جلوس میں
 جہاں جہاں سے یہ گزرنے والا تھا جگہ
 جگہ ٹھنڈے پانی سے بھرے بیرل رکھا دیئے
 اس خیال سے کہ گرما کا موسم ہے جلوسیوں کا
 پیاس کے مارے بُرا حال ہوگا..... لیکن ہوا کیا
 یہی کہ جلوسیوں نے اُن راستوں سے گذرتے ہوئے
 لوٹ مار شروع کر دی اور دکانوں کو آگ لگانے لگے
 اور وہ ٹھنڈے پانی سے بھرے بیرل جو ہم نے جگہ جگہ رکھائے
 تھے۔ چاروں طرف بھڑکتے آگ کے شعلوں میں گرم ہو گئے
 اور کسی مائی کے لال کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اس پانی کا دوسرا
 مصرف آگ بجھانا بھی ہو سکتا ہے۔“

خوشیاں

فسادات میں —————

ہندو، مسلمانوں کی جان سے کھیل کر
خوش ہو رہے تھے اور مسلمان، ہندوؤں کو مار کر
بخلین، بجا رہے تھے۔

”جن گھروں میں جانی نقصان ہوا ہے....“

وہ ملول تھے کہ بھلا کس بات پر
خوشیاں منائیں۔“

سینئر پرسنٹ

آج کل کی کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے
 ہوئے اس نے کمپیوٹر پر عورتوں کے بارے میں ایک چُبھتا
 ہوا سوال ٹاسپ کیا کہ ————— پڑھی لکھی عورتوں کی عقل تو ان
 کے اپنے اصلی مقام پر ہی رہتی ہے۔ لیکن جاہل عورتوں کی عقل
 کہاں رہتی ہے ————— آیا گھٹنوں میں یا کہیں اور ————— ؟
 فوراً کمپیوٹر کے چمکدار اسکرین پر جواب اُبھر آیا —
 ”ملاؤں کی جیب میں“

فقہ

ایک پرانی رنڈی نئی آئی ہوئی رنڈی پر
اپنی زبان داتی کا رعب جھاڑتے ہوئے یوں گویا
ہوئی :

”دیکھو ! مذہب اور رنڈی میں کوئی فرق نہیں
ہوتا۔۔۔۔۔ اس طرح کہ انسان جو تک کی طرح مذہب سے
چمٹ کر اس کے سارے اصولوں کو امرت سمجھ کر پی لیتا
ہے اور مذہب کو چھوڑ دیتا ہے۔۔۔۔۔
اسی طرح ہمارے پاس بھی جو کبھی آتا ہے وہ ہم سے چمٹ کر
ہمارے سارے جسم کا رس کس چوس چوس کر پی لیتا ہے
اور ہم کو تھوک دیتا ہے۔“

نئی رنڈی منہ بناتے ہوئے بولی
پھر بھی ہمارا کوئی مذہب نہیں ہوتا نہ بہن۔۔۔

بی۔ بی۔ ڈبلیو

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ
 اس دھارم مقابلہ چل رہا تھا۔ اسٹیڈیم کے اندر
 — اور اسٹیڈیم کے باہر ہزاروں روپیوں کا جوا
 تھا کہ ہندوستان جیتا تو آٹھ سو کے ہزار اور
 جیتا تو ہزار کے پندرہ سو — اس جوئے
 سولہ سو نے حصہ لیا۔ انہوں نے بھی جنہوں نے
 اکھیلا ہی نہ تھا۔

لیکن مقابلہ ڈرا ہوا تو سب کے منہ لٹک
 رہے جنہوں نے کبھی جوا اکھیلا ہی نہ تھا۔ بولے ”چلو
 — بی۔ بی۔ ڈبلیو ہو گئے۔ ناحق گناہ کے
 کرنے چلے تھے۔

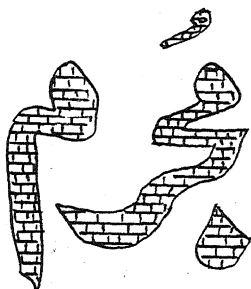
سپا مشغلہ

لوگوں کے گلے کاٹنا اس کا مشغلہ تھا۔
 جس کی سزا اُس نے جیل میں چار سال رہ کر کاٹی
 — آدمی چوں کہ جوان اور محنتی تھا اس لئے جیل کے
 کرتا دھرتاؤں نے اس کو ہنرمند بنا کر کہ وہ آئندہ ٹیلری
 کا پیشہ اختیار کرے اور گلے کاٹنا چھوڑ دے، اُسے
 چھوڑ دیا۔

جیل سے چھوٹ کر اس نے اپنا پُرانا مشغلہ
 گلے کاٹنا چھوڑ کر لوگوں کی جیبیں کاٹنے لگا کہ ہینگ
 لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا۔

لاجواب

قتل و غارت گیری کا بازار گرم تھا۔ وہ
 غیر علاقے سے گذرتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا۔۔۔۔۔
 تبھی ایک آدمی بڑی تیزی سے اُس کے
 سامنے آیا۔ اُس کے اُٹھے ہوئے ہاتھ میں ایک
 تیز خون آلود پھرا دیکھ کر وہ دہشت سے پیچھے ہٹا
 اور دفعتاً اُس کے منہ سے نکلا۔ ”نمستے۔“
 ”نمستے! نمستے!!“ پھرے والے کا ہاتھ یکدم
 ڈھیرلا پڑ گیا۔ اور وہ دوبارہ جس تیزی سے آیا تھا
 اُسی تیزی سے غائب ہو گیا۔ جیسے گدھے کے
 سر سے سینگ۔



”ابھی ایسی کوئی جیل بنی نہیں ہے۔ جو مجھے
 قید کر سکے۔ جانتے ہو میں منتری جی کا داماد ہوں۔
 تم نے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اس وقت جب میں
 چھڑے سے اُس شخص کا پیٹ چاک کر کے بھاگ
 رہا تھا تو کیا ہوا۔ میں نے جس کو قتل کیا وہ منتری جی کا
 دشمن تھا..... اب کوئی عدالت مجھے سزا نہیں
 دے سکتی۔“

لیکن میں تمہیں حوالات کی ہوا ضرور کھلا سکتا
 ہوں۔ چلو — انسپکٹر نے اپنے ہولٹر سے
 ریوالور نکال لیا۔ اور غصے سے اس کو ہلاتے ہوئے
 مجرم کو لا کر حوالات میں بند کر دیا۔

معلوم نہیں

۱۔ نے جس کا تعلق پولیس محکمہ سے تھا
ب کو بڑے فخر کے ساتھ بتلایا : ”کل پولیس کی
نگرانی میں کرنیوز دہ علاقوں میں اشیائے خورد و نوش
کی تقسیم ہوئی۔“

”کیا۔ کیا مطلب؟“ ب نے تجسس سے

پوچھا۔

ارے بھئی اشیائے خورد و نوش نہیں سمجھتے۔

کھانے پینے کی چیزیں۔“

”اچھا۔ پھر پرسوں پولیس کی نگرانی میں جو تقسیم ہوئی

تھی وہ کس زمرے میں آتی ہے۔ کھانے میں یا پینے میں۔“

”کیا۔ کیا مطلب؟“ نے اسی طرح تجسس سے پوچھا۔

ب نے اطمینان سے کہا۔ ”موت“ نے چڑ کر جواب دیا
”معلوم نہیں۔“

آخر کار

”کل رات دوکتے لڑتے ہوئے آپس میں
 بھڑگئے تھے اور ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے شور
 مچا رہے تھے۔ میں نے اس خیال سے کہ محلہ میں سوتے
 ہوئے لوگوں کی نیندیں خراب ہو جائیں گی، پتھر پھینک
 پھینک کر انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش
 کرتا رہا۔ لیکن بے سود رہا تو اُن کو اسی طرح چھوڑ کر
 وہاں سے ہٹ گیا۔“

”بالکل ٹھیک کیا تم نے“ اُس کے دوست نے اُسے
 بتلایا۔ ”ہم بھی بالکل یہی کرتے ہیں جب دو فریقے

آپس میں بھڑ جاتے ہیں۔ لاٹھی چارج اور
 آنسو گیس سے بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“
 اُس کے دوست نے جو پولیس انسپکٹر تھا،
 اپنی موچھوں کو چھوتے ہوئے بولا۔



آنا فانا

تے میں انہوں نے اس کو گھیر لیا اور آنا فانا اُن میں سے
 طے اپنی آستین میں سے اُستر نکالا اور اس کی
 دس کا صفایا کر دیا اور موچھوں کو چھوڑ دیا۔
 ے کی داڑھی کے ساتھ بال بھی چلے گئے تھے، وہ جھلایا:
 موچھیں کیوں چھوڑ دیں۔ اس کو بھی موڑ دو۔
 بے تے کہا۔ ”نہیں موچھیں رہنے دو۔ یہ مردوں کی

داڑھی؟“ اُس نے جھلا کر پوچھا
 سلمانوں کی۔“ تیسرے نے نفرت سے کہا۔

مسلمانوں کی ۔ !

لیکن میں مسلمان کہاں ہوں بھئی —

میں نے داڑھی اور بال اس لئے پال رکھے تھے
کہ ترپتی جا کر انہیں مونڈھا آؤں گا۔

غلطی

”نام کیا ہے؟“
 ”رام دین“ جواب ملا۔

”شہرت کیا ہے؟“
 ”پہلے سے نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”پیدائشی محنتوں ہوں۔ بھگوان نے اسی

طرح پیدا کیا..... کوئی دھرم کرم کی بات ہی
 پوچھ لو۔“

بس — بس — رہنے دو — ہم

دھرم کرم کو نہیں مانتے ہم کو شہوت چاہیے۔

”پھر کیا؟“

”اُف — ! بھگوان تمہارا بھلا کرے...“

ایک کراہ کے ساتھ اُس کے منہ سے نکلا اور
چھری اس کے پیٹ کو چاک کرتی ہوئی ناف
تک اُتر گئی۔

بھگوان کی غلطی کی سزا اس کو مل

▲▲

گئی۔

دیکھتی

”سنا ہے حکومت دیہاتوں میں ڈکیتی،
لوٹ مار و قتل کی وارداتوں میں کمی کے لیے
گاوڑوں والوں میں، خود حفاظتی کے لیے بند دتیں
تقسیم کرنے والی ہے۔“

”ہاں — میں نے بھی یہی سنا ہے۔۔۔۔۔“

”لیکن۔۔۔۔۔“

”لیکن کیا؟“

”انتخابات قریب آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔“

یہ اچھا نہیں ہوگا۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”دو ٹوں کی ڈکیتی شروع ہو جائے گی۔“

”یعنی؟“

”جس کی لاکھی اس کی بھینس تو سمجھ

سکتے ہونہ۔“

”ہاں — تمہارا مطلب ہے۔۔۔۔۔“

جس کی بندوق اس کے دوٹ۔



حصّے میں

لوٹ مار چھی تو اس کے حصّے میں
ایک چھوٹا سا ٹی۔ دی۔ سیٹ آیا۔
وہ خوشی خوشی اس پچھوٹے سے
ٹی۔ دی سیٹ کو بغل میں دبائے جلدی جلدی
اپنے گھر لے آیا اور گھر کے تمام دروازے
اور کھڑکیاں بند کر کے ٹی۔ دی کو ایک چھوٹے
سے اسٹول پر رکھ دیا۔ اور اس کے دائرے
کو برقی کنکشن دے کر ٹی دی کے بٹن کو آن
کیا۔

ٹی۔ دی۔ کے اسکرین پر نہ کوئی آواز

آئی اور نہ ہی پکچر۔
 ”دھت تیرے کی“ اس نے کہا
 ”ٹی۔ دی۔“ تو ڈیڈ ہے

پھر اس نے ٹی۔ دی۔ کے پچھلے حصے
 کا حفاظتی بورڈ جو چھین چھٹی میں ٹوٹ پھوٹ
 گیا تھا اس کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کو درست
 کرنے لگا..... تبھی اس کو ایک زور کا برقی
 جھٹکا لگا اور جھٹکے کے ساتھ ہی وہ نیچے گرا اور
 ٹی۔ دی۔ کے ساتھ خود بھی ڈیڈ ہو گیا۔

مناسب طریقہ

”ہماری شاہ دی کو دس سال ہو گئے
لیکن ابھی تک ہم بچے سے محروم ہیں۔ ڈاکٹر
نے کہا ہے خرابی میرے میں نہیں تمہارے میں
ہے۔ اس لئے کیوں نہ ہم کسی بچے کو گود لے
لیں۔“

”میں کسی غیر کے بچے کو گود لینا پسند
نہیں کرتا۔“ مرد نے کہا۔

”تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے سائنس

نے تو بڑی ترقی کر لی ہے۔ میں اپنی کوکھ میں سائینی
 طریقے سے کسی غیر کا بیج ڈالوں گی.....
 اس سے جو بچہ ہو گا وہ تو ہمارا کہلائے گا۔
 ”ہاں کہلائے گا کیوں نہیں.....“
 اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا — پھر میرا خیال
 ہے اس میں کوئی گناہ یا قباحت بھی تو نہیں.....
 بلکہ یہی ایک طریقہ مجھے صحیح اور مناسب لگتا ہے۔“



اللہ کا حکم

”نہیں — نہیں — اب میں نوکری
 نہیں کروں گی۔ میں جو کچھ کھاتی ہوں اس
 کو تم نشہ پانی میں اڑا دیتے ہو۔“
 ”کیوں نہیں اڑاؤں — تم جو کچھ
 کھاتی ہو اس پر میرا حق زیادہ رہتا ہے۔“
 ”نہیں“ وہ چلائی یہ تمہارے باپ کا مال
 نہیں ہے — میرے محنت کی کمائی ہے۔“
 نشہ میں دھت اس نے پہلے اپنے باپ
 کو ایک گالی دی پھر عورت کو لتھاڑا۔

”اری سن ! باپ کے مال کے تو اور
 بھی حق دار ہوتے ہیں — بھائی بہن وغیرہ —
 لیکن جو رو کے مال کا تو شوہر کے سوائے اور کوئی
 حق دار نہیں ہوتا — یہی اللہ کا حکم ہے
 — سمجھی —“

غفلت

میں نے پچھلے وعظ میں مولوی صاحب
کو یہ کہتے سنا تھا کہ — قرب قیامت کی
نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ سرے بازار
زنا کاری ہوگی۔“

”یار — تم ابھی تک غفلت میں ہو۔
اس کی ابتداء تو گھروں میں کبھی کے شروع ہو چکی
ہے۔“

کبھی کے شروع ہو چکی ہے۔ گھروں
میں — کیا مطلب ؟

یہی ————— دیر رات گئے کی فلموں میں
 وہی سب کچھ تو ہوتا ہے جس کا نظارہ ٹی۔وی پر
 تمام گھر والے مع اپنے بچوں کے کرتے ہیں —
 ہو سکتا ہے یہی بچے آگے چل کر سرے بازار
 ویسا ہی کرنے لگیں۔“



معلومات

”میں تم سے ہمیشہ کہتا ہوں وعظ میں
 چلو، مذہبی معلومات ہوں گے — یکن
 تم سنتی ہی نہیں ہو — معلوم ہے کل
 وعظ میں مولوی صاحب نے کیا بتلایا تھا.....
 انہوں نے عورتوں کے فرائض کے تعلق سے بتلایا
 تھا کہ — ہر عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر
 کی خواہش کو ہر حال میں پوری کرے۔ چاہے وہ
 سفر میں اپنے شوہر کے ساتھ حالت پاکی میں
 اونٹ کے کوہان سے بندھے محرم میں ہی کیوں نہ
 ہو..... یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے“

”تم سفر کی بات کر رہے ہو ڈارلنگ“

عورت ہنس دی —

میں تو تمہارے ساتھ ٹھیکڑ میں بھی
تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتی ہوں۔ تاکہ
اللہ اور اُس کے رسول کی ناراضگی نہ مول لوں۔“



الصب

صاحب تو مجھے چھوڑتے ہی نہیں۔ تعطیلات
 میں بھی گھر پر کام لیتے ہیں — گھر کا سودا سلف
 سے لے کر جھاڑو جھڑکا جی میں ہی کرتا ہوں۔ بچوں کو
 نہلاتا ہوں، دھلاتا ہوں..... صرف پہلی تاریخ
 کو مجھے دوپہر کے بعد ہی چھٹی ملتی ہے کہ میں آفس
 جا کر اپنی تنخواہ لے آؤں۔ پھر بعد میں وہی چکر
 اب تو بھیا میں اپنے آپ کو سرکاری
 نوکر سے زیادہ بندھوا مزدور سمجھنے لگا ہوں....
 حکومت کہتی ہے کہ بندھوا مزدور کی لعنت ختم

ہو گئی۔ میں کہتا ہوں لعنت ختم کہاں ہوئی وہ تو
حکومت کے اندر سرایت کر گئی ہے۔ کیوں بھیا!
میں ٹھیک ہی کہتا ہوں نہ —

”ہاں — تم ٹھیک ہی کہتے ہو —
لیکن دیکھو بھائی ! تمہاری بھلائی بھی تو اسی
میں رہتی ہے۔ ورنہ آج کل سرکاری نوکری ملتی
کہاں ہے۔ وہ تو قسمت والوں کے نصیب میں
میں لکھی ہوتی ہے۔“

”بس رہنے دو ڈارنگ ! مجھے پتہ ہے کہ
 ہر مرد کے اندر چھپے ہوئے یہ تین بم ہمیشہ تیار
 رہتے ہیں۔ لیکن..... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم
 ڈیر کہ ہر عورت ان تین بموں کو ناکارہ بھی تو
 کر سکتی ہے۔“

”ناکارہ ——— ! وہ کیسے ؟“
 ”وہ اس طرح کے طلاق سے پہلے ہی وہ
 اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے۔“ عورت
 نے سیدھی سی بات بتلائی۔

تبھی شوہر کو یکدم غصہ آگیا اور اس
 نے فوراً یہ تین بم اپنی عورت پر ڈال دیئے۔

”بھئی ! کچھ بھی ہو۔ آگ تو تھی۔ آتش

بازی میں بھی تو آگ ہی ہوتی ہے نہ —“

”لیکن آتش بازی میں زور زور سے

پٹاتے چھوٹنے کی آوازیں بھی تو ہوتی ہیں۔“

”وہاں بھی تو آوازیں تھیں —“

اُن ہریجنوں کی جن کی یہ جھونپڑیاں جل
رہی تھیں۔“



چالیس چور

”میں نہ کہتا تھا۔ کل مذہبی جلوس کا
 بلوائی خوب فائدہ اٹھائیں گے۔“
 ”وہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے یار —
 نئی بات کیا ہوئی یہ بتلاؤ۔“
 ”نئی بات یہ ہوئی کہ کل بلوائیوں نے
 عین پولیس اسٹیشن کے سامنے ہی جہاں گھوڑسوار
 فورس کا پورا دستہ موجود تھا۔ سونے چاندی
 کے دکانوں کی تالاشکنی کی اور دکانوں کو لوٹن
 شروع کر دیا۔“

”واہ —! اور وہ گھوڑ سوار فورس
جو تھانے کے سامنے ٹھہری ہوئی تھی۔ اُس نے
کچھ نہیں کیا۔“

”ارے — وہ کیا کرتی۔ اُس کے خود
چالیس جوان جو سادہ لباس میں تھے۔ اُس
لوٹ میں شامل تھے۔“

”یعنی چالیس چوروں کی پوری ٹولی موجود
تھی۔“

”ہاں —“

”اور علی بابا کتنے تھے عجبی —“

”کئی —“

”یعنی کئی علی بابا اور چالیس چور۔“

داد

”کچھ سنا تم نے۔ کل رات دنگوں میں
کیا ہوا۔“

”کیا ہوا؟“

”کاناٹی پورہ کے علاقے کی ایک ستر سالہ
بوڑھیا، بلوائیوں کی طرف سے لگائے گئے ہر سہ ماہی
کے زبردست شور و غل والے غروں کی گونج میں
پاگل ہو گئی اور تہقے مارتے ہوئے گھر سے باہر
نکل گئی۔“ — ”اچھا۔!“

”اور سنو — مومن پورہ کے علاقے
کا بھی ایک نوجوان پاگل جو مادر زاد برہنہ پھر تار تھا تھا۔“

جہادیوں کی طرف سے لگائے گئے نعرہٴ جکیسر کی ذلک شگاف
آوازوں کی گونج میں ہوش میں آ گیا۔

”ارے واہ —! یہ تو کمال ہو گیا بھئی“

”ہاں — اور وہ نوجوان پاگل جو ہوش

میں آ گیا تھا۔ معلوم ہے اس نے کیا کیا۔“

”کیا کیا؟“

”اس نے قریب سے گذرتے ہوئے ایک پولیس

کے جوان پر پیچھے سے حملہ کر کے اس سے رائفل چھین لی

اور رائفل کے کندے سے اس کا سر پھاڑ کر اسے

نیچے گرا دیا۔ پھر اس کے بدن سے وردی اُتار کر

اسے برہنہ کر دیا اور خود اس وردی میں اپنا برہنہ

بدن چھپائے تیزی سے ایک گلی میں گھس گیا۔

”واہ —! ستنے والے کے منہ سے

کلمہ تحسین نکل گیا۔



سر تو ایک ہی ہوتا ہے

اجی ہونا کیا تھا۔ بس پہلے سلام کے
 بعد ہی کچھ ایسے تربیت یافتہ غنڈے جو بھیس بدلے
 تھے مسجد میں درائے اور بلند آواز میں نعرہ
 بر لگایا۔ نمازیوں نے بھی دوسرا سلام پھیر کر
 نعرہ بلند کیا....

میں اتنا ہی ہوا جی، اس کے ساتھ ہی گولیاں
 نے لگیں اور بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ ایک
 سرے کو کھلتے ہوئے، روندتے، ادھر ادھر پناہ
 رخص سے بھاگنے لگے۔ میں بھی بھاگ رہا تھا
 برے بازو والے نمازی کے سینے میں ایک گولی لگی

اور وہ وہیں سینہ پکڑے ڈھیر ہو گیا۔ میرے بھی
پیر میں ایک گولی لگی اور میری آنکھوں کے سامنے
اندھیرا چھا گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔۔۔ مجھے
کچھ یاد نہیں ہے۔۔۔“

”آخر گولیاں کس نے چلائیں تھیں؟“

ابھی چلاتا کون۔۔۔ آزادی سے پہلے
جلیان والے باغ میں انگریزوں نے چلائیں تھیں۔
یہاں پی۔ اے۔ سی۔ نے چلائیں۔

”معلوم نہیں گولیاں چلانے کا حکم
کس نے دیا تھا۔“

”کون دیتا ہے۔۔۔ ایک سر ہی نے
دیا۔ وہاں بھی یہاں بھی۔۔۔ ابھی صاحب
سر تو ایک ہی ہوتا ہے۔ صرف ٹپیاں بدل جاتی
ہیں، لباس بدل جاتے ہیں۔“



شرط

ایک دلال نے دوسرے دلال سے
پوچھا : ”کیوں بھئی ! کوئی بکری دکری ہے۔ بغیر
حلال کی۔“

”نہیں بھئی !“ دوسرا دلال بولا۔
”ہاں۔۔۔۔۔ دو چار بار حلال ہوئی سو ہے۔۔۔۔۔
کہو تو لا دوں۔۔۔۔۔“

”نہیں۔۔۔۔۔“ پہلا دلال بولا ”اور جانے لگا
تو دوسرا دلال کچھ سوچ کر اُسے پکارا
ارے ٹھیر و بھئی۔۔۔۔۔ ٹھیر د۔۔۔۔۔ جا کہاں
رہے ہو۔۔۔۔۔ مجھے یاد آیا ایک بکری ہے بغیر

حلال کی۔ لیکن.....“

”لیکن کیا؟“ پہلا دلال جاتے جاتے ٹرک گیا اور تشویش سے پوچھا۔

”یہی کہ بکری والوں کی بھی ایک شرط ہے کہ اسے دیزا کے ذریعہ باہر لے جا کر حلال کیا جائے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔“

پہلا دلال مایوسی سے اپنا سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔



گھمسی کہیں گیا

کچھ ٹسنا تم نے۔ رات دنگوں میں
 کیا ہوا۔
 ”کیا ہوا؟“

”رات دنگوں میں کچھ غنڈوں نے مل کر حکومت
 کے ایک کوآپریٹیو گودام کی تالاشکتی کی اور وہاں
 رکھے کھانے پینے کے متفرق سامان، کپڑے
 کے تھانڈوں کے بندلوں کے علاوہ عورتوں کے بناؤ سنگھار
 کی کئی قیمتی اشیاء بھی لوٹ لیں۔“

”اچھا۔۔۔“

اجی! ابھی اور سنو۔۔۔ اس لوٹ کے

کچھ ہی گھنٹوں کے اندر اندر ریزرو پولیس نے بھی غنڈوں کو تلاش کر کے ان کے پاس سے مل کر آم کر لیا اور اسے تھانے میں جمع کر دیا اور اپنے آفیسروں سے شاہی پائی۔
 ”چلو اچھا ہزا۔“ سننے والے نے
 اطمینان کا سانس لیا۔

”ارے اچھا کہاں ہوا بھی۔ تھانے کے عملے نے بھی شاہی پانے کا ایک دوسرا طریقہ نکالا۔ انہوں نے اپنے آفیسروں کی خوشنودی کی خاطر جن کی بیویاں فیشن کی دلدادہ تھیں لوٹے ہوئے مال میں سے بناؤ سنگھار کی کئی قیمتی اشیاء کو جربرٹوں میں انٹری لئے بنا دیے کچھ ان فیشن پرست بیویوں میں بانٹ دیا، کچھ کو آپریٹیو سوسائٹیز کے درکاروں میں اور تھوڑا بہت اپنے حصے میں سے اوپر بچا دیا۔“
 ”واہ۔۔۔! یعنی کہ۔۔۔ کھڑی کہاں گئی۔۔۔ گئی میں اور نگھی کہاں گیا۔ پیاروں کے بیٹوں میں۔“

”اور کیا۔۔۔“

حق؟

”اپنا حق مانگنا کوئی بری بات تو نہیں ہے نہ۔“
”نہیں۔“

”اور جانوروں کو لڑانے کا حق مانگنا بھی کوئی
بُری بات نہیں — پھر یہ پابندی کیسی۔“
”کیسی پابندی؟“

”یہی جانوروں کو نہیں لڑانے والی۔“
”بھئی! اب زمانہ بدل گیا ہے —
آج کل جانوروں کی لڑائی بھی جانوروں کی لڑائی نہیں رہتی۔“
”وہ کیوں؟“

”وہ اس لیے کہ آج کل ایک بکرا مسلمان

کے پاس ہو تو۔ وہ مسلمان بکرا کہلائے گا۔ اور ہندو کے پاس ہو تو وہ ہندو بکرا ہوگا۔ — ظاہر ہے جب یہ دونوں بکرے لڑیں گے تو کوئی نہ کوئی تو جیتے گا ہی۔ اگر مسلمان بکرا جیتا تو جیت مسلمان کی ہوئی۔ اور ہندو بکرا جیتا تو جیت ہندو کی ہوئی۔ — اور اس لڑائی میں جو نعرے لگیں گے ظاہر ہے وہ اپنے اپنے مذہبی نوعیت کے ہوں گے۔ اس لیے حکومت نے بھی جانوروں کی لڑائی پر پابندی لگا دی ہے۔“

”لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ خوانی رائے اس کے خلاف ہو گئی ہے۔ — وہ سب نعرے لگا رہے ہیں اس کے خلاف۔“

”کیا نعرے لگا رہے ہیں۔“

”یہی کہ — پشوؤں اور پکھلیوں کو لڑانا ہمارا پرکھانی حق ہے۔ — اور — ہم اپنی یہ مان مر یاد انہیں جھوڑ سکتے۔“

بھئی! یہی تو مشکل ہے آج کل کہ مذہب کا لبادہ انسانوں کو بھی جانور بنا ڈالتا ہے۔“

”ہاں — یہ تو ہے۔“

غیر جانبدار

ایک پولیس انسپکٹر نے اپنے جوانوں سے
سادات کے موقع پر انہیں مختلف جگہوں پر متعین کرنے
سے پہلے ہر ایک کو بڑی کٹری ہدایت دی :
دیکھو جوانو ! ہمیشہ کی طرح تمہیں غیر جانبدار

رو یہ اپنا نا ہے ۔ بڑی ہوشیاری اور مستعدی
سے کام لینا ہوگا ۔۔۔۔۔ بعد میں تمہاری اس
سکار گزاری پر بڑے افسر سے تمہاری ترقی کی سفارش
کروں گا ۔

دوسرے دن ہوا یہ کہ ایک جوان کو ترقی

مل گئی۔ اُس نے بتلایا تھا :

”سر ! دنگے میں ایک جگہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک شخص کو قبری طرح پٹیا جا رہا ہے تو میں فوراً سیٹیاں مارتا ہوا وہاں پہنچا —

میری سیٹیوں کی آوازوں پر پہلے تو غنڈے بھاگنے لگے پھر مجھے دیکھ کر وہ رُک گئے اور مار کھایا ہوا شخص بجائے اس کے کہ وہ بھاگتا ، میری طرف آنے لگا میں نے فوراً جانبدارانہ رویہ نے اپناتے ہوئے اس پر گولی چلا دی ۔



اللہ دے بندہ لے

دنگوں میں ہتھیاروں کے آزادانہ استعمال
 مسل لوٹ اور غارت گری کے بعد حکومت نے
 برآ ہتھیاروں کے رکھنے کے خلاف سخت امناعی
 وکامات صادر کر دیے اور اعلان کر دیا کہ ہتھیاروں
 ، کھوج کے لئے ہر جگہ کی تلاشی لی جائے گی
 ر قانون کی گرفت میں آنے والوں کے خلاف
 سخت ترین کاروائی کی جائے گی اور جیل بھی ہوگی
 و سب سے پہلے ڈر کر امن پسند شہریوں نے اپنے
 اس موجود تمام ہتھیاروں کو جس کو وہ خود حفاظتی بطور
 رکھ چھوڑے تھے راتوں رات اندھے کنوؤں اور

میونسپل کے کچرا ڈبوں میں پھینک آئے۔

اشرار جو اس موقع کی تاک میں تھے
حکومت کے اس ”اللہ دے۔ بندہ لے“ والے
اقدام سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اور ان ہتھیاروں
کو اندھے کنوڑوں اور میونسپل کے کچرا ڈبوں سے
چوری پتھپے حاصل کر لیا۔ پھر قتل و
غارت گری کا وہ بازار گرم ہوا کہ حکومت بھی
امن و امان قائم کرنے میں بے بس ہو گئی۔

زرین موقع

جلوس مذہبی تھا —

ہر سال کی طرح اس سال بھی کہ کہیں جلوس
میں شامل غنڈے انسانی جانوں سے نہ کھیلے، پڑوسی
ریاستوں سے کئی ڈیوٹرین فوج منگوائی گئی تاکہ جلوس
میں نظم و ضبط قائم رہ سکے اور جانوں کا نقصان

نہ ہو۔

جلوس اس لحاظ سے تو بہت کامیاب
رہا کہ اس میں کئی لاکھ کا مجمع تھا — لیکن
اس میں بد نظمی صرف اتنی ہوئی کہ غنڈے جو ہمیشہ کی

طرح جلوس میں شامل ہو گئے تھے۔ اس بار انسانی
 جانوں کو چھوڑ کر کئی گھنٹوں تک بے شمار دکانوں
 کو لوٹتے رہے اور جگہ جگہ ان کو جلا کر خاک تر کرتے
 رہے اور کئی ڈیوٹرین فوج گن مانے کھڑی
 رہی حکم کی منتظر لیکن حکم دینے والے
 محو تماشا تھے کہ ایسی آتش بازی دیکھنے کا ایسا
 زین موع انہیں پھر کہاں نصیب ہوگا۔ ▲▲

رنگ میں بھنگ

ہولی کا تیوہار فساد کے رنگ میں

ڈوب گیا —————

ہر جگہ پچکاریوں کی بجائے لاٹھیاں چلنے
لگیں اور رنگوں کی بجائے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

شانتی نگر میں —————

عثمان چاچا اور دھومل کا کا جو کبھی ایک
دوسرے پر پچکاریوں سے رنگ پھینکا کرتے تھے
ایک دوسرے پر لاٹھیاں برسائے لگے۔۔۔۔

ایک بچہ جو اپنی ماں کے ساتھ اس
خونی کارروائی کو اپنے گھر کے چان پر کھڑکی سے دیکھ

رہا تھا، خوشی سے چلا اٹھا :

”ماں — ماں — دیکھو — دیکھو —

دھول کا کا اور عثمان چاچا کیسے ہولی کھیل رہے

ہیں — لاٹھیوں سے — مجھے بھی لاٹھی دو ماں —

میں بھی لاٹھی سے ہولی کھیلوں گا — بچکاریوں

سے ہولی کھیلنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”کیوں اچھا نہیں لگتا ؟“ ماں نے پڑ کر

پوچھا۔

”دھول کا کا اور عثمان چاچا کو بھی بچکاریوں

سے ہولی کھیلنا کیوں اچھا نہیں لگتا ؟“

ماں نے فوراً اپنا سر پیٹ لیا اور ہاتھ

بڑھا کر زور سے کھڑکی بند کر لی۔



اُدھم پور کے آدم خور

اُدھم پور کے علاقے میں پچھلے کچھ دنوں
سے جنگل میں نامکمل لاشیں ملنے لگیں تو وہاں
کے لوگوں نے یہ فرض کر لیا کہ ہونہ ہو یہ کوئی آدم خور
شیر کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے جو اُدھم پور
میں اُدھم چمچائے ہوئے ہے —————
فوراً اس کا کام تمام کر دینا چاہیے۔

لیکن گھاؤں والوں کی کافی کوششوں کے
کے باوجود بھی شیر کا کوئی سراغ نہ لگا تو انہوں نے
حکومت سے مدد مانگی کہ انہیں آدم خور شیر سے

نجات دلائی جائے۔

حکومت نے فوراً اعلان کر دیا کہ جو کوئی بھی اس آدم خورشیر کو جان سے مارے گا اسے دس ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔

گھاؤں کے کچھ بہادر جوانوں نے انعام کے لالچ میں اس بیڑہ کو اٹھایا اور شیر کا شکار کر کے گھاؤں..... والوں کو اس سے نجات دلائی اور انعام کو حاصل کر لیا..... اس مصمم ارادے کے ساتھ کہ اب وہ کبھی چھپ کر جنگل میں راہ گیروں کو لوٹ کر ان کی تکابوٹی نہیں کریں گے کہ ناحق انہیں ایک بے قصور شیر کی جان لینی پڑی۔



دو ملکوں کی ایک کہانی

گجرات ۱۰ نومبر (۹-ن) کل رات
کامائی پورہ کے علاقے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے
تین گھر جلا دیئے۔ جس میں دو عورتیں، دو بچے، ایک
بوڑھا معہ مویشیوں کے زندہ جل گئے۔

کراچی ۱۰ نومبر (پ-ن) کل رات لالو کھیت
کے علاقے میں سندھیوں نے مہاجرین کے تین گھر
جلا دیئے۔ جس میں دو عورتیں، دو بچے، ایک بوڑھا
مویشیوں کے زندہ جل گئے۔

”پچ پچ پچ —“ اخبار پڑھنے والے نے
 دونوں خبروں پر نظر ڈالی تو اس کے منہ سے کلمہ
 ”مأسفہ نکل گیا —“ خبریں ایک کے نیچے ایک
 ایک ہی کالم میں چھپی تھیں۔

دوسرے دن اخبار میں :

گجرات۔ الرنمبر (۱-۱۶) کا مائی پورہ کے
 علاقے میں پرسوں ہوئے واقعہ کے رد عمل کے طور پر کل
 رات مسلمانوں نے بھی عثمان پورہ کے علاقے میں ہندوؤں
 کے تین گھر جلا دیئے۔ جس میں اتنی ہی عورتیں، اتنے
 ہی بچے، بوڑھے، مویشی لقمہ اجل ہو گئے۔

کراچی۔ الرنمبر (پ۔ ۱۶) لا لکھیت
 کے علاقے میں پرسوں ہوئے واقعہ کے رد عمل کے طور
 پر کل رات مہاجرین نے بھی ناطہ آباد کے علاقے
 میں سندھیوں کے تین گھر جلا دیئے جس میں اتنی ہی
 عورتیں، اتنے ہی بچے، بوڑھے، مویشی لقمہ اجل ہو گئے۔

نہروں کو پڑھنے کے بعد یہ چاروں نہروں کے
 تراشے اُس نے اخبار سے کاٹ لئے۔ اور ان تراشوں
 کو احتیاط سے ایک سادہ فل اسکیپ کاغذ
 پر سلسلہ وار چپاں کر دیا۔ — پھر اس نے گہرائی
 سے کچھ سوچا اور ان تراشوں کے سب سے نیچے اپنے
 قلم سے تحریر کیا —

”نیوٹن کے ایک کلیہ کا ایک اور

کھلا اور سچا ثبوت“

اس کے بعد اس نے اُس کاغذ کو ایڈیٹر کی نذر
 کرنے کے لیے کاغذ کی پیشانی پر ایک عنوان لکھا۔
 ”دو ملکوں کی ایک کہانی“

پھر اس نے اُس کاغذ کو ڈاک کے سپرد کر دیا
 اشاعت کی غرض سے۔ اس سے بے پردہ کہ
 ایک آزاد ملک میں بھی ایک ادیب کے ہاتھ
 بندھے رہتے ہیں اور اُس کے منہ پر ٹیپ چپکا
 رہتا ہے۔

پان کی دوڑی

بالآخر مجرم گرفتار کر لیا گیا۔ جس نے دنگوں
میں کئی قتل کئے تھے۔ اور اُسے لا کر حوالات میں
بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جس تھانے کی حوالات
میں اُسے بند کر دیا گیا تھا۔ اُس تھانے کا فون بج
اُٹھا۔ — انسپکٹر سیٹ پر نہیں تھا۔ دوپٹی والے
جمعہ دار نے فوراً فون اُٹھایا۔

فون پر کھر کھراتی آواز آئی — جس مجرم
کو ابھی لا کر حوالات میں بند کر دیا گیا ہے اس کو
پھنسا دو۔ —

جمعدار کی بھنویں تن گئیں۔ اس خیال سے
 کہ اس کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ فون پر
 دھاڑا ————— ”ابھی صاحب! آپ ہیں کون —
 انسپکٹر صاحب سیٹ پر نہیں ہیں — ہم جب تک
 ادھر سے کوئی حکم نہ آئے مجرم کو اس طرح چھوڑ نہیں
 سکتے۔ سمجھے —————“

فون پر دوبارہ تیز آواز میں زیادہ کھرکھراتی آواز
 آئی ————— ”ہم اُپر ہی سے حکم دے رہے ہیں —
 ”کیا مطلب —!“ جمعدار فوراً چکرا
 گیا۔ پھر اس خیال سے کہ فون کرنے والا کوئی شاطر
 کھلاڑی ہے۔ بولا ————— ”آخر آپ ہیں کون
 جناب؟“

”حکم کا کیلہ“ جواب ملا۔

”حکم کا کیلہ“ جمعدار کو یقین ہو گیا کہ

اس کے ساتھ کوئی چال ہی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ

اس نے ہنستے ہوئے اپنی ایک ٹانگ ہلاتے گویا
 ہوا۔۔۔۔۔ ”دیکھئے جناب! یہاں حکم کا یکہ نہیں
 چلتا۔ پان کی درری چلتی ہے۔۔۔۔۔ پان کھلاؤ
 کام نکال لو۔۔۔۔۔“

۔۔۔۔۔ اور فطر نے جھلا کر فون کو کر یڈل پر پٹک

دیا: ”معلوم نہیں پولیس میں کہاں کہاں سے
 لا کر گدھوں کو جمع کر دیا گیا ہے“



خاندانی روایات

”میں تو ہر ہفتے تین بار اصلاح خانے جا کر
اپنی داڑھی بنوانے کی زرخ زرخ سے تنگ آ گیا
ہوں۔ وہاں تو پہلے ہی اتنے لوگ اپنی داڑھی
اور سر کے بال بنوانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں
کہ میری باری آتے آتے گھنٹہ آدھا گھنٹہ لگ
ہی جاتا ہے۔“

”تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے اپنے گھر میں

شیونگ کا سامان لاکر رکھ لو اور خود اپنے ہاتھوں
 روز روز اپنی داڑھی بناؤ۔ اس طرح اصلاح خانہ جانے
 اور دہاں انتظار کی زرخ زرخ سے بچ جاؤ گے۔
 ”نہیں — یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔“
 ”کیوں —؟“

”خود اپنے ہاتھوں داڑھی بنالینا ہمارے خاندانی
 بروایات کے خلاف ہے۔“

”ارے ہاں — مجھے یاد آیا ہمارے
 یہاں ہمارے باپ دادا کے زمانے سے ایک بشتی
 چلا آرہا تھا۔ اُس کو بھی گھر پر اپنے ہاتھوں اپنی داڑھی
 بنالینے کی عادت نہیں تھی۔ یا پھر ایسا بھی ہو سکتا
 ہے کہ داڑھی بنانے کا سامان اُس کے پاس تھا ہی نہیں
 — ایک بار میں اپنے سر کے بال بنوانے اصلاح
 خانے میں بیٹھا تھا کہ وہ آیا اور حجام سے اسٹرا مانگ کر
 قریبی سرکاری پاخانوں کی طرف چلا گیا۔“

مظاہر

۵۹ طاقتور ضرور تھا لیکن غنڈہ نہیں —
 ایک بار دنگوں میں شری پسندوں نے اُسے گھیر کر اُس پر
 بُری طرح ہلہ بول دیا وہ ان کا دیوانہ وار مقابلہ
 کرتا بچتا بچاتا، پولیس اسٹیشن پہنچا۔
 پولیس اسٹیشن میں متعین جمعہ دار نے پہلے تو اس
 کے مضبوط جسم کو ٹھوک بجا کر بغور دیکھا اور اندازہ کر لیا
 کہ ابھی جسم داروں کو سہہ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے

اپنی لائٹھی اٹھائی اور زور سے دھاڑا :

”کیوں بے حرام خور ! بے قصور افراد پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لے چکھ اب اس کا بھی مزہ۔“
 کہتے ہوئے جمعدار نے اس نوجوان پر لائٹھی سے ماروں کی خوب بارش شروع کر دی۔۔۔۔

جب نوجوان ماروں کو نہ سہہ کر چکا کہ اس کے قدموں میں گر پڑا تو جمعدار اپنی موچھوں پر تاؤ دیتا، نوجوان پر اوروں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنے کے الزام میں ایک دفعہ لگادی اور اسے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیں دیا۔



آم کے آم ...

وہ خوبصورت تھا۔ لیکن اُس نے ایک
 کالی پیلی معمولی صورت و شکل کی لڑکی سے شادی کی۔ اور
 ایسی شادی کی ایک اچھی مثال قائم کی —
 یار لوگوں نے اُس کا مذاق اُڑایا :
 ”ارے چھوڑو ! لڑکی کالی پیلی، معمولی
 صورت و شکل کی ہوئی تو کیا ہوا، سر دس کر رہی
 ہے گورنمنٹ کی — یعنی کہ آم کے آم
 گٹھیلوں کے دام۔“

اپنی لائٹھی اٹھائی اور زور سے دھاڑا :

”کیوں بے حرام خور ! بے تصور افراد پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لے چکھ اب اس کا بھی مزہ۔“
 کہتے ہوئے جمعدار نے اس نوجوان پر لائٹھی سے ماروں کی خوب بارش شروع کر دی ۔۔۔۔

جب نوجوان ماروں کو نہ سہہ کر چکا کہ اس کے قدموں میں گر پڑا تو جمعدار اپنی موچھوں پر تاؤ دیتا، نوجوان پر اوروں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرتے کے الزام میں ایک دفعہ لگادی اور اسے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیں دیا۔



آم کے آم

وہ خوبصورت تھا۔ لیکن اُس نے ایک
 کالی پیلی معمولی صورت و شکل کی لڑکی سے شادی کی۔ اور
 ایسی شادی کی ایک اچھی مثال قائم کی —
 یار لوگوں نے اُس کا مذاق اُڑایا :
 ”ارے چھوڑو ! لڑکی کالی پیلی“ معمولی
 صورت و شکل کی ہوئی تو کیا ہوا، سروس کر رہی
 ہے گورنمنٹ کی — یعنی کہ آم کے آم
 گٹھیلوں کے دام۔“

ایک بنگلہ بنے نیارا

سنگ تراشوں نے کئی دن کئی رات ایک
 کر کے سالوں کی محنت و جانفشانی کے بعد ایک ہی بڑے
 پتھر سے جو کئی فٹ لانا اور کئی فٹ چوڑا تھا
 آہٹا کے علمبردار کی ایک بڑی نشانی تراشی جس
 پر حکومت کا کرڈر ہا روپیہ پانی کی طرح بہا —

پھر اس نشانی کو ساگر کے پیچ ایک
 . خود ساختہ پٹھان (راک) پر نصب کرنے کے لئے
 ایک مضبوط کشتی مہیا کی گئی۔ اور اس مضبوط کشتی
 کے ذریعہ اس کو پیچ ساگر لے جایا جا رہا تھا کہ

کشتی اس کے بوجھ سے ایک طرف جھک گئی۔
 اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے کئی شر دھالوں سمیت جو
 اس سے تھامے ہوئے تھے جئے جئے کار کے آہٹاؤں والے
 نعرے بلند کر رہے تھے، غرق آب ہو گئی۔

ہزاروں لوگ جو اس وقت وہاں موجود
 تھے اور اس واقعہ کے علینی گواہ، اُن میں سے
 مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس واقعہ
 پر اپنے رد عمل کا اظہار کیا۔

ایک نے کہا: ”اتنا صرفہ اگر کسی انڈسٹری
 کو قائم کرنے میں صرف ہوتا تو یہاں کے لوگوں کو روزگار
 چھپا ہوتا۔ اور بھوک مری میں افاقہ ہوتا۔“

دوسرے نے کہا: ”چلو اچھا ہوا کم از کم
 اتنے دنوں تک سنگ تراشوں کا روزگار تو
 چلتا رہا۔ اور اب وہ کم از کم کچھ دن تو آرام
 سے گھر بیٹھے کھا سکتے ہیں۔“

تیسرا بولا : ”اگر یہ وہاں نصب ہو جاتا
تو یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوتا۔“

چوتھا بولا : اگر یہ وہاں اب نصب
بھی ہو جائے تو یہ آہنہ کی نشانی کی بجائے
ہنہ کی نشانی ہو گا۔“

کچھ سنگ تراش جو وہاں موجود تھے۔ بولے :
”یہ ہماری زندگی کا بڑا ہی المناک واقعہ ہے۔“

اُسی وقت کبوتروں کا ایک جوڑا اپنے
بہروں کو پھٹ پھڑاتا ہوا بڑی تیزی سے اُن سنگ
تراشوں کے سروں کے اوپر سے گذر گیا۔
وہ دونوں آپس میں یوں گویا تھے :

”ہم نے تو سوچ رکھا تھا کہ ہم اپنا گھونسلہ
اس نشانی کی ادھیچائی پر بنائیں گے۔ تاکہ یہ ہمارا دار
اور ٹھکانہ رہے۔“ جیسے انسان شملہ اور اوٹی

پر اپنے بنگلے بناتے ہیں۔“

”ہاں —“ دوسرا بولا — اب
 اتنی سہولت بخش جگہ ہمیں اور کہاں ملے گی —
 وہ بھی عین ساگر کے بیچ۔“

سنگ تراش بود ہاں موجود تھے۔
 انہوں نے اپنے سروں کو اُدپر اٹھا کر آن
 کبوتروں کی طرف دیکھا..... اسی طرح جیسے
 وہ ان کی بولی سمجھ رہے ہوں۔

تبھی پرندوں نے اڑتے اڑتے بیٹ
 کر دی۔ جو بڑی تیزی سے اُس راک پر گر کر جہاں
 اُس نشانی کو نصب کیا جانے والا تھا، ایک
 بڑا سفید دھبہ چھوڑ گئی۔

آنکھ کے اندھے نام نین سکھ

سیندھی کیا وڈ کھی کھی بھرا ہوا تھا
لوگ کیا وڈ میں جگہ جگہ جتھوں کی شکل میں
بیٹھے ہوئے نشہ کم کر رہے تھے اور گالیاں
زیادہ بک رہے تھے کہ کوئی باہر سے دندنا تا
ہوا کیا وڈ میں در آیا اور چلاتا ہوا باہر
نکل گیا۔

”بھاگو! بھاگو!! پولیس آرہی ہے۔“

باہر لاش گری ہے — کسی نے پھرا مار دیا۔
یہ سنتے ہی سارا کیا وڈ منٹوں میں

خالی ہو گیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد پولیس کے چار جوان زور زور سے سیٹیاں مارتے ہوئے لاش کو لانگتے پھلانگتے جو سیندھی خانہ کے گیٹ کے پاس ہی پڑی ہوئی تھی، تیزی سے کیاؤنڈ میں درائے اور سیدھا سیندھی خانہ کے مالک کے پاس جا کر جو کاؤنٹر پر دہشت زدہ بیٹھا ہوا تھا، ڈرا دھمکا کر کہ اُسے قتل کے کیس میں اندر کر دیں گے دو چار شیٹے سیندھی کے زبردستی کاؤنٹر سے اٹھا لائے اور پھر وہ سب کیاؤنڈ میں بیٹھے نشہ کر رہے تھے اور گالیاں بک رہے تھے۔۔۔۔

پھر وہ نشہ کی حالت میں ہی جوں ہی کیاؤنڈ سے باہر نکلے۔ یکدم اُن کے ہوش اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر کے لاش وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے کہ آخر لاش کدھر چلی گئی.....

ایک جو زیادہ نشہ میں تھا، آنکھیں جھپچھپاتے گمبھیرتا سے بولا۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے

لاش اٹھ کر کہیں چلی گئی۔

”چپ رہ بے وقوف“ دوسرا ڈانٹا
 — لاش اٹھ کر کیسے جاسکتی ہے — ضرور
 دال میں کچھ کالا ہے۔“

”ہم کو اس سے مطلب؟“

تیسرا جوشہ کے باوجود بہکا نہیں تھا، بولا —
 ”سمجھ لو کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔“ پھر وہ اپنے
 دوسرے ساتھیوں سے مخاطب ہوا — ”کیوں بھی! یہاں
 ہم نے کچھ دیکھا۔“ سب اس کی ہاں میں ہاں
 ملائے — نہیں کچھ نہیں — تو پھر چلو —
 یہاں ہم کیوں بے کار ٹھہرے ہیں — ہاں
 چلو! چلو! سب ایک ساتھ لوٹے اور وہاں
 سے فوراً کھسک گئے۔



ڈھاک کے دوپٹے

وہ دونوں صورت سے ہی گھاگ لگ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک جس کا تعلق منڈی سے تھا اُس کے ملنے پر بڑا سالال تلک کھپا ہوا تھا۔ اور دوسرے کی ٹھڈی اور گال جو داڑھی کے چھوٹے چھوٹے سنوت کالے اور سفید بالوں سے اٹی ہوئی تھی۔ اُس کا تعلق کیٹھی سے تھا۔ وہ کافی لحیم شحیم تھا۔ لیکن وہ دونوں کام ان سنستھاؤں کا، حل کر ہی کرتے تھے..... یعنی تلک والا شکار کو چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اپنی مضبوط یاہوں میں جکڑ لیتا تھا۔ اور داڑھی والا چھرے سے

اُس شکار کا کام تمام کر دیتا تھا ————— پھر
 اطمینان کر لینے کے بعد کہ مرنے والا شہید ہوا ہے یا امر
 یہ اپنی اپنی سنسٹھاؤں کو اس کی اطلاع دے کر
 وہاں سے خاصی رقم اینٹھ لیتے تھے۔ اور یوں اُن کا
 کاروبار خوب چلتا تھا، اُن دنوں جب چاروں
 طرف دنگے پھیل جاتے اور کرفیو لگ جاتا۔

آج بھی وہ اسی کام کے سلسلے میں جب کہ
 کرفیو لگا ہوا تھا، بڑی دیر سے گھات لگائے
 ایک چھوٹے سے چبوترے پر جھاڑ کی آڑ میں
 چھپے بیٹھے تھے کہ کوئی مجھولا بھٹکا ادھر آ نکلا تو
 فوراً اس کا کام تمام کر دیں گے

جب بیٹھے بیٹھے انہیں کافی دیر ہو گئی تو وہ
 بور ہونے لگے تلک والے نے بڑے
 زور سے انگڑائی توڑتے ہوئے جمائی لی۔

”چلو یہاں سے اٹھ چلیں۔ کہیں دوسری
 جگہ جا بیٹھیں معلوم ہوتا ہے یہاں تو

ایک چوہا بھی نہ پھنسنے گا..... سب ہتھیار ہوئے
ہیں۔“

”ہاں! شاید تم سچ کہہ رہے ہو“
داڑھی والے نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کچھ سوچ کر
کہا۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ انسانی ضروریات بھی اس
کو سمجھی مجبور کر دیتی ہیں۔ اور وہ نہیں نکلنے کے باوجود
بھی گھر سے باہر نکل پڑتا ہے۔

”بالکل۔۔۔ بس اسی وقت کا تو ہمیں
انتظار رہتا ہے۔“ تلک والے نے مسکرا کر کہا۔
”دیکھو! دیکھو!! کوئی آ رہا ہے.....“
ضرورت کا مارا۔“ داڑھی والے نے ایک طرف
اشارہ کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔

انہیں گلی کے نکتے پر ایک ایسا شخص دکھائی
دیا جو اتنا نحیف و زار تھا کہ پھونکو تو اڑ جائے...
وہ لڑکھڑاتا ہوا، ادھر ادھر دیکھتا، چوکنا
آگے بڑھ رہا تھا.....

معلوم ہوتا ہے چوہا بھوک سے بلبلا کر آخر
بلب سے باہر نکل ہی آیا۔ ”تک والے نے اس کی
طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”ہیں اس سے کیا۔“ داڑھی والے نے کڑکڑاہٹ
کے ساتھ چھڑے کے دستے میں سے چمکدار تیز لانبے پھل کو
باہر کھینچتے ہوئے بولا۔ ”ہم کو تو صرف جان چاہیے۔
وہ بھوکا ہو کہ لت گڑا لولا..... چلو چلو دیر نہ
کرو۔ ہمیں پہلے اپنے کام کو نبھانا ہے۔ کرفیو میں نرمی
کا وقت قریب آ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ
اپنے اپنے گھروں کے دروازے کھول کر وقت پر باہر
نکل آئیں..... تو پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔“

”ہاں — ہاں — چلو چلو — تک
والے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی خیف و زار
گلی کے ننگڑ پر ہی پڑے گھڑ کے ڈھیر پر جھپٹ
پڑا۔ اور دونوں ہاتھوں سے گھڑ کو کریدتے ہوئے
اس پر پڑے کھانے کو جلدی جلدی جباڑے بغیر

ہی نکلنے لگا۔ اس کو پتہ ہی نہ چلا کہ موت
 اس کے سر پر آکھڑی ہے۔ پتہ اُس کو اُس
 وقت چلا جب کوئی ٹھنڈی سی چیز اُس کے پیٹ
 میں اُتری اور پیٹ میں اتنی زور کی
 گڑبڑ اٹھی کہ اُس کا کھایا پیسا جیسے سب باہر
 نکل جانے لگا۔ اور اکثر بد منظمی کی حالت
 میں یہی ہوتا ہے کہ منہ سے قہہ نکل جاتی ہے.....
 لیکن منہ تو بند ہے۔ اُس نے سوچا۔ کھانے
 کے نوالے سے۔ پھر قہے اُس کے پیٹ نے کر دی؟
 — ایک بڑی قہے جس میں اُس کی تمام انٹریاں
 باہر نکل آئیں تھیں۔ اُس نے گھبرا کر اپنی انٹریوں
 کی طرف دیکھا۔ تب اُس کو اتنی دہشت ہوئی کہ وہ
 پیچ بھی نہ سکا۔ اور سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا
 اس کی کانپتی ہوئی نظروں کے سامنے
 دو ان تھے یا شیطان اس کا اندازہ
 وہ نہ لگا سکا۔ اور وہیں گھڑ پر ہی لڑھک کر
 ڈھیر ہو گیا۔

دائرہ والی یکدم چونک گیا۔ اور جھک کر

مرنے والے کی صورت دیکھنے لگا.....

”کیوں! کیا ہوا!!“ تلک والے نے پوچھا:

”ہم سے بڑی غلطی سرزد ہو گئی۔ یہ.....

یہ..... ہمارے ہی اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے تھا۔

”کیا مطلب —؟“ تلک والے نے تشویش

سے پوچھا۔

یہی کہ — جب ہم بے روزگار تھے اور

ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا تو یہ ہمارے ساتھ

بھیک مانگا کرتا تھا۔ لیکن کسی پر اپنا مذہب ظاہر

نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ رنڈی کے بطن سے تھا،

اور لا مذہب۔ کسی کو اس کا نام بھی معلوم نہیں

تھا — ہاں جمعہ کے دن وہ مسجد کی سیڑھیوں

پر بیٹھ جاتا تھا بھیک مانگنے اور ہفتہ کے دن مندر

کے دروازے پر۔“ کہتے ہوئے داڑھی والا تاسف

سے اپنے سر کو جھٹکنے لگا.....

”افسوس — صد افسوس“ — ہم نے بڑی

غلطی کر دی — آج ہم نے ایک ایسے آدمی کا

خون کر دیا ہے جو نہ صرف ہمارا دوست تھا بلکہ اُس کا
کوئی مذہب ہی نہیں تھا۔“

”یہ یہ یہ۔۔۔“ تلک والے کے منہ
سے کلمہ تاسف نکلا۔۔۔“ آج ہم نے ایک
غلط کیس پکڑا۔ معلوم نہیں صبح ہم کس کی صورت
دیکھ کر اُٹھے تھے۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور
نہیں۔۔۔ اوپر والا ہم کو ضرور معاف کرے گا۔“

پھر وہ دونوں اس بے نامی کیس پر کفِ
افس ملتے ہوئے وہاں سے فوراً کھسک گئے۔

بھوچال

۵۹ چاروں نوجوان تھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ
 اُن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں تھیں۔ لیکن وہ بے روزگار
 تھے۔ کیوں کہ اُن کے پاس جو بڑی بڑی ڈگریاں
 تھیں وہ کسی کام کی نہیں تھیں۔ اعلیٰ تعلیم
 حاصل کرتے ہوئے انہوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا
 کہ یہ ڈگریاں جو وہ حاصل کرنے جا رہے ہیں وہ روزگار
 کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ بلکہ اُن کے حق میں ایک
 رکاوٹ بن جائیگی آگے چل کر جب انہیں کرسیوں پر
 بیٹھنے کی تنائیں ایسا کام بھی کرنا پڑے گا جو ایک
 جاہل بھی کر سکتا ہے۔ جس کے پیٹ میں الف

کا نام بھالا ہو۔

بحر حال ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد انہیں
بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں کہیں بھی نوکریاں نہیں مل سکیں
تو انہوں نے گاندھیائی طریقے کے پیش نظر اپنی
ڈگریوں کی ہولی جلائی اور عہد کیا :

”اب ہم سب یہ بھول جائیں گے کہ کبھی
ہم نے تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ یونیورسٹی بھی گئے تھے
اور بڑی بڑی کتابیں پڑھیں تھیں۔“ یہ کہتے
ہوئے وہ چاروں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں
ہاتھ ڈالے جلتی ہوئی ہولی کے اطراف ٹھیرے ہوئے،
ہائے — ہائے — کرنے لگے

اعلیٰ تعلیم — ہائے، ہائے
بڑی بڑی کتابیں — ہائے، ہائے
یونیورسٹی کی عمارتیں — ہائے، ہائے

اگر یہی مظاہرہ دہ شہر کے عین بیچ کرتے
تو وہ شاید سڑکوں میں لے لئے جاتے۔ یا پھر ان کے اطراف
لوگوں کا ایک خاصہ جھگڑا ہو جاتا..... لیکن انہوں نے

شہر سے دور مضافات میں ایسا مظاہرہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ کیوں کہ انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ ایسا مظاہرہ وہ شہر میں نہ کر سکیں گے۔ اگر کریں بھی تو شاید لوگ انہیں پاگل تصور کریں گے۔ اور ان کے ذہنوں کو اس سے وہ آسودگی حاصل نہیں ہو سکے گی جو شہر سے دور ایسا کرنے میں ہو سکتی ہے۔

پختانچہ جس دقت وہ چاروں اپنی ڈگریوں کی ہولی جلائے، ہائے — ہائے — کر رہے تھے، افق پر سورج غروب ہو رہا تھا اور ہولی جل رہی تھی..... تبھی ایک صحت مند توانا نوجوان جو صورت شکل سے پڑ رہا لکھا لگ رہا تھا اور جس کے چہرے پر موٹے فریم کی عینک چڑھی ہوئی تھی، جھاڑیوں میں سے نمودار ہوا اور ان کی طرف دیکھتا ہوا، بڑی نرمی سے بولا:

”یہ کیا کر رہے ہو تم سب لوگ یہاں — یہ کیا گڑبڑ مچا رکھی ہے۔“

چاروں نے مل کر ایک ساتھ جواب دیا:

تجسس سے ایک ساتھ پوچھا۔

”بہت کچھ..... کرنے کے لیے صرف

دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں۔ اور ان ہاتھوں کو کام میں لانے کے لیے تیز دماغ کی اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ — تعلیم تو میں نے حاصل کر لی ہے اور اب دماغ سے کام کر رہا ہوں۔“

”ہم بھی تعلیم یافتہ ہیں — تم ہمیں

کام بتلاؤ — ہم بھی ہر کام کر سکتے ہیں۔“ چاروں نے مستحکم لہجہ میں کہا۔

”کیا کسی کی جان بھی لے سکتے ہو۔“

وہ چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے

”نہیں — نہیں — ہم کسی کی جان

نہیں لے سکتے۔“

”پھر تم..... ہر کام کر سکتے ہو۔“

نور الدین نے مسکرا کر کہا — ”جان لینے کے سوا“

”معلوم ہوتا ہے تم تشدد پسند نہیں

ہو۔“ وہ چاروں تذبذب میں پڑ گئے۔

”ہاں —“ نور الدین کے ہونٹ طنزیہ انداز میں

سکڑ گئے۔۔۔۔۔ لیکن لوگ ہم کو تشدد پسند کہتے ہیں۔
 ”وہ کیوں؟“ چاروں نے ایک ساتھ

پوچھا۔

”کیوں کہ ہم کو انصاف دلانے کے لیے وہ سب
 کچھ کرنا پڑتا ہے جو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی
 حکومت بھی نہیں کر سکتی۔“

”کیا مطلب؟ اور کیسا انصاف؟“

”سنو۔۔۔ غریب کسانوں سے زمین

چھین لی جاتی ہے، زمین داروں کے ہاتھوں اور غریب
 کسان کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ جھگی جھونپڑیاں جلادی جاتی ہیں
 امیروں کے ہاتھوں، لیکن ان جھونپڑیوں کے ٹیکنوں کو کوئی بچا نہیں
 سکتا۔۔۔ ان کی عورتوں کی عزتیں لوٹ لی جاتی ہیں اجتماعی
 طور پر، لیکن ان حرامیوں کی طرف کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔“
 اور۔۔۔۔۔ اور دنگوں میں محنت کش لوگوں کی

جانیں لے لی جاتی ہیں غنڈوں کے ہاتھوں لیکن پولیس کچھ نہیں
 کرتی بلکہ وہ غنڈوں سے مل جاتی ہے۔

وہ چاروں کے ذہن یکدم صاف ہو گئے۔

وہ عملے شیشے کی مانند اور وہ سب یکساں تھے۔
 ”ہم کو بھی تم میں شامل کر لو۔۔۔ ہم بھی کوشش

کریں گے کہ لوگوں کو انصاف دلا سکیں — لیکن
ہم کسی کی جان نہ لیں گے۔“

”بہت خوب — میں بھی کسی کی
جان نہیں لیتا۔“ نودارد نے کہا — “بغیر کرسیوں
اور گدیوں پر بیٹھے ہم اُن کا کام کرتے ہیں۔ جو
یہ کام نہیں کر پاتے — کیوں کہ وہ تو ہر دم
کرسیوں اور گدیوں کو بچانے میں بٹھتے رہتے ہیں
— اس لیے اُن کا کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے
— کیوں ہے نہ —“

”ہاں —“ چاروں نے ایک ساتھ کہا۔
اور اتنی زور سے کہا، لگا کہ — کرسیوں اور
گدیوں میں جھونچال اُجائے گا۔

کالی ٹیکری

لال ٹیکری

وہ نیم پاگل مشہور تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ بعض اوقات ایسی عقل مندی کی بات کر جاتا تھا کہ ہوش مندوں کے ہوش اڑ جاتے اور وہ سوچنے لگ جاتے کہ معلوم نہیں ہم پاگل ہیں یا وہ پاگل ہے۔ اس لئے اپنے پاگل پن کی پول کھل جانے کے ڈر سے وہ ہمیشہ اس سے دور دور ہی رہا کرتے تھے کہ معلوم نہیں وہ کب کیا کہہ دے۔

چنانچہ زمین ”دھرم بھومی“ کی اور ”عبادت گاہ“ کی کامسئلہ جو کئی سالوں سے عدالت میں زیرِ درال تھا اور تاحال اس کا کوئی حل نہ نکلا تھا، تو اس نے ہنس کر کہا تھا: ”یہ ایسا مسئلہ ہے جس کا حل صرف میں ہی نکال سکتا ہوں۔ عدالت کیا نکال سکے گی۔“ لوگ ہنس کر خاموش ہو گئے بلکہ ڈر کر خاموش ہو گئے کہ نہ جانے یہ پاگل پن میں اور کیا کہہ دے کہ دونوں فرقوں میں سر پھٹول کی قربت آجائے۔

ایک دن اُس نے اپنے پاگل پن میں ہر دو فرقوں کے کچھ لوگوں کو جو جلدی میں اس مسئلہ کے حل کے لئے آتا ڈلے ہوئے جا رہے تھے جمع کیا اور بولا: ”اوسب مل بیٹھو۔ اور میں جیسا بولتا ہوں ویسا کرو۔“

پھر اُس نے زمین پر سے دو ٹھیکریاں اٹھائیں ایک کالی اور ایک لال۔ اور بولا: ”کالی ٹھیکری! ”دھرم بھومی“ والوں کی اور لال ٹھیکری! ”عبادت گاہ“ والوں کی۔ جس کی بھی ٹھیکری اٹھے گی زمین یا

بھومی اس کی ہو جائے گی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ
ٹھیکری اٹھائے گا کون۔ دونوں ہی ٹھیکریاں اٹھانے
پر مصروف تھیں۔

اس نے کہا۔ ”نہیں ایسا نہیں۔ ٹھیکری دونوں میں سے
کوئی نہیں اٹھائے گا۔ بلکہ ہم دونوں ہی ٹھیکریوں
کو اس مقام پر رکھ دیں گے۔ جہاں کی زمین یا بھومی کا
فیصلہ ہونا ہے اور انتظار کریں گے کہ کو اس ٹھیکری
پر اپنی بیٹ (غلاظت) کرتا ہے۔ جس ٹھیکری پر
وہ بیٹ کرے گا۔ بھومی یا زمین اس کی ہو جائے گی۔“

سب پاگلوں نے ہاں میں ہاں ملائی اور اس
مقام پر ٹھیکریوں کو رکھ کر انتظار میں بیٹھ گئے کہ
دیکھیں کو اس ٹھیکری پر بیٹ کرتا ہے۔
لیکن کوئے کی بیٹ ہمیشہ ادھر ادھر گرتی رہی اور
ٹھیکریوں پر نہیں تو سب مایوس ہو گئے۔ لیکن
پھر بھی حوصلہ نہیں چھوڑے۔

آخر انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو پاگل

نے کہا۔ ”نہیں ایسا نہیں۔ ہم اس میں ایک
اور ٹھیکری کا اضافہ کر دیں گے اور دیکھیں گے کہ

اب کوئے کی بیٹ کس ٹھیکری پر گرتی ہے۔“

چنانچہ جیسے ہی اُس نے تیسری ٹھیکری جو سفید تھی وہاں رکھی تو کوئے نے فوراً کہیں سے اڑتے ہوئے آکر اُس پر بیٹا کر دی۔

کالی ٹھیکری اور لال ٹھیکری والے دونوں ہی مایوس ہو گئے اور سوالیہ انداز میں اُس پاگل کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔۔۔ پاگل پہلے ہنسا پھر رویا اور اپنی انگلی اوپر اٹھادی۔

کالی ٹھیکری اور لال ٹھیکری والوں کو مطلب تو سمجھ میں آ گیا۔ لیکن وہ پریشان تھے کہ آخر پاگل پہلے ہنسا کیوں پھر رویا کیوں۔

پاگل بولا : پہلے ہنسا اس لئے کہ تم دونوں ہی پاگل ہو۔ ناحق جھگڑ رہے ہو۔ پھر رویا اس لئے کہ تم اوپر والے کو جو ایک ہی ہے الگ الگ ناموں سے پکارتے ہو اور سمجھتے ہو کہ دونوں الگ الگ ہیں۔“

پھر قبل اُس کے وہ پاگل اور کوئی خقل مندی کی بات کرتا جس سے اُن کے پاگل پن کی پول کھل جاتی وہ سب وہاں سے دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تین راؤنڈ فائر

ڈی۔ ایس۔ پی۔ نریندر شرمانے پولیس

اسٹیشن چھترئی کہہ سہتے ہی، اُن تینوں کانٹیسٹس کو بلایا جنہوں نے ارڈسمبر کی شب ایک فریقے کے تقریباً چار سو افراد پر جو تلوار، چاقو، لٹھیوں اور دوسرے ہتھیاروں سے لیس تھے اور دوسرے فریقے کے مکانات اور عبادت گاہوں پر حملہ کے لئے سید علی چوہدرہ پہنچے تھے، انہیں منتشر کرنے کے لئے فائرنگ کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ تینوں کانٹیسٹس ڈی۔ ایس۔

پی کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

اُن کانٹیسٹس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے ڈی ایس پی

نے کہا۔ "تم میں جس کسی نے بھی ارڈسبر کی شب
علاقہ سید علی چوترہ میں ایک ماب (MOB) پر
فائبرنگ کی تھی وہ میرے سامنے آئے۔ میں اس
کو انعام دینا چاہتا ہوں۔"

فوراً اُن میں قیصر نامی ایک کانٹیل جوش
کے ساتھ آگے بڑھا اور انہیں سیلوٹ کر کے بتلایا۔ "سر!
میں نے ہی ایک بڑی خون ریزی کو روکنے کے لئے اُس
ماب (MOB) پر تین راڈنڈ فائبرنگ کی تھی۔"

یہ سنتے ہی ڈی۔ یس۔ پی نے اس کے گال پر
ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ اور وردی پکڑ کر اسکو
ڈھکیل دیا۔ "نکل جاؤ میرے سامنے سے۔" پھر اُس
نے کانٹیل سے سروس رائفل چھین لی اور اے۔ سی۔ پی
مسٹر سومیا کو حکم دیا کہ وہ اسے معطل کر دیں۔

کانٹیل قیصر ڈی۔ یس۔ پی کے اس طرح کے
طرز عمل پر پریشان ہو گیا۔ اُس نے تو ڈی۔ یس۔ پی
کے بلانے پر یہ یقین کر لیا تھا کہ اُسے ایک بہت بڑے
انعام سے نوازا جائے گا۔ کیوں کہ اُس نے ایک بڑی ہونے
والی خون ریزی کو گولی چلا کر روک دیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن

ایک بہت بڑے انعام کی بجائے ڈی۔ یس۔ پی کا تھپڑ — اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ پولیس میں فرقہ پرستی کا نہر اس حد تک سہایت کر گیا ہے کہ اب لائینڈ آرڈر ایک مذاق بن کر رہ جائے گا.....
 چنانچہ آج جو کچھ ہوا اس کے ساتھ اس سے اس کا دل دہل اٹھا تھا۔

اس واقعہ کے فوری بعد ہی اے۔ سی۔ پی سومیا نے ڈی۔ یس۔ پی کی اجازت سے کانٹیل قیصر کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور دوسرے فرقے کے گھروں اور عبادت گاہوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے —
 اس دوران کانٹیل قیصر نے اے۔ سی۔ پی۔ کو کئی بار دبی زبان میں اس کی اطلاع بھی دی کہ صرف اقلیتی فرقے کے گھروں کی تلاشی اور بے قصور افراد کی گرفتاری چھوڑ کر اس طرف توجہ دیں جہاں اکثریتی فرقے کے افراد ایک بڑی تیاری کے ساتھ، جن کے پاس کافی تعداد میں ہتھیار ہیں، دوسرے فرقے کے گھروں پر ہلہ بولنے والے ہیں، ان گھروں کی تلاشی لی جائے۔

لیکن اے۔ سی۔ پی سو میا نے اس کی بات سکا کوئی
 نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ اُس نے ہر بار اُسے ڈانٹ
 دیا کہ تم چپ رہو۔

ایک دن قیصر حبیب میں اے۔ سی۔ پی
 سو میا کی قیادت میں دیگر کانٹیس کے ساتھ بیٹھا
 ہوا تھا۔ حبیب انجن باڈی کے قریب فلک نما ڈپو
 کے پاس ٹھہری ہوئی تھی اور وائیرلیس سیٹ پر ہر طرف
 سے دنگوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ اے۔ سی۔ پی
 ان خبروں کو بڑی توجہ اور انہماک سے سننے میں مگن تھا۔
 تبھی وائیرلیس سیٹ پر کھڑکھڑایا۔ اور اُس
 میں سے کھڑکھڑاتی آواز آنے لگی گولی پورہ پولیس
 اسٹیشن گولی پورہ پولیس اسٹیشن لال دروازہ
 میں قتل کی چار وارداتیں ہو چکی ہیں گاندھی کے پستلے کے
 قریب اور اطراف و اکناف کے کئی گھروں کو آگ
 لگادی گئی ہے اور

قیصر کے کان یکدم کھڑے ہو گئے۔ خود اس کا
 اپنا گھر بھی اسی علاقے میں تھا۔ یہ سنتے ہی وہ پریشان

ہو گیا۔ اس کے حواس معطل ہو گئے اور اس پر دیوانگی
 کی ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ اس نے فوراً اپنی گن
 اٹھائی اور پیچھے سے ہما اے سی۔ پی۔ سومیا کی گردن
 پر فائیر کر دیا۔

سومیا جیپ میں ہی بیٹھے بیٹھے سیٹ پر
 لڑھک گیا۔ — جیپ میں سوار دیگر کانٹیلین
 نے جھپٹ کر قیصر کو دلوچ لیا۔ لیکن اس سے قبل
 ہی قیصر جس نے فائیر کیا تھا۔ نڈھال ہو کر سیٹ
 پر گر چکا تھا۔



دوست

سماج سدھار کر مچاری نے جلہ گاہ میں
جو تحفظ حقوق انسانی کے سلسلے میں منایا جا رہا تھا
آ کر مائیک سنبھالا.....

”سبحنو! آج میں آپ کو تحفظ حقوق انسانی
کے سلسلے میں ایک بھانگی بتلانے چلا ہوں۔ بلکہ سنلے
چلا ہوں۔“ کہتے ہوئے اُس نے کھنکھار کر اپنا گلہ صاف
کیا اور بولا۔۔۔۔۔ ”ہو سکتا ہے آپ بھی اس بھانگی
کو دیکھ چکے ہوں گے یا سن چکے ہوں گے۔ لیکن غور
نہیں کئے ہوں گے۔ لیکن میں نے غور کیا ہے۔ جب بھی

میں نے اُس جھانکی کو دیکھا ہے یعنی اس کو دیکھا
 ہے جو گھورے پر کوڑا کرید رہا ہوتا ہے تو مجھے
 اس جھانکی پر اُس کہانی کی یاد آ جاتی ہے جو بچپن
 میں پڑھائی گئی تھی ————— وہی پُرانی کہانی
 سجنو! مرغ اور موتی دالی۔ آپ نے بھی پڑھی ہوگی۔ اگر
 یاد نہیں تو سن لیجئے۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ —
 ایک دن ایک مرغ کو گھورے پر کوڑا کریدتے ہوئے
 ایک موتی ملا تھا تو مرغ نے اس موتی پر کھانے کی جانچ
 میں ٹھونگیں مار مار کر کہا تھا..... اگر یہ موتی
 کسی جوہری کے ہاتھ لگتا تو وہ اس کی قدر کرتا۔ لیکن
 میرے لیے تو جو کا ایک دانہ اس موتی سے بدرجہا
 بہتر ہے..... یہ کہتے ہوئے اُس نے موتی کو رد
 کر دیا تھا۔

تو سجنو! میں ہمیشہ یہی سوچتا اگر یہی موتی
 اُس کو مل جاتا جو روز گھورے پر کوڑا کرید رہا ہوتا ہے
 تو.....؟ لیکن ایسا ہوتا کہاں ہے سجنو! غریب
 آدمی کی قسمت میں تو غریبی کا پٹہ لکھا ہوتا ہے۔
 یہ سب کہانیوں کی باتیں ہیں کہ مرغ کو گھورے پر

کوڑا کریدتے ہوئے ایک موتی ملا تھا۔ موتی ہوتا
 کہاں ہے۔ ! وہ تو بڑے گھرانوں والی استریوں
 کے گلے کا سنگھار ہوتا ہے۔ اور بڑے گھرانوں والی
 استریاں گھورے پر آتی کہاں ہیں۔ ہاں وہ بلڈنگوں
 کی بلندیوں سے کوڑا ضرور پھینکتی ہیں۔ اور گھورے
 پر بلندیوں سے کوڑا پھینکتے ہوئے اُن کے گلے میں
 جو موتیوں کا ہار ہوتا ہے، ہو سکتا ہے وہ کسی دن
 ٹوٹ کر کوڑا پھینکتے ہوئے گھورے پر بکھر جائے
 اور کسی غریب کی قسمت جاگ اُٹھے۔ مرغ کی
 نہیں۔

بس سجنو ! ہمیشہ مجھے یہی دشواں رہتا کہ
 کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی دن اُس کی قسمت ضرور جاگ
 اُٹھے گی۔ اور مجھے اس کا ہی انتظار رہتا۔ ہر سمسے،
 ہر دن، ہر گھڑی، ہر ہفتے۔۔۔۔۔ دن پہ دن
 گذرتے چلے گئے اور وہ اسی طرح بد حال گھورے
 پر کوڑا کریدتے رہا۔۔۔۔۔ لیکن اس کو ملا کچھ نہیں
 میرا مطلب موتی سے ہے۔ چوں کہ یہی بات
 لڑکپن سے میری بدھی میں بیٹھی ہوئی تھی اس کہانی

کے تعلق سے کہ گھورے پر موتی ملتے ہیں۔“

اور ایک دن سجنو! اُس نے اُس کو پایا —
اُس کے دکھوں کا انت ہو گیا۔

”یعنی کہ وہ مر گیا — — —“

”ہاں!“ شاید آپ ہم نے پوچھا تھا۔ اُس نے ایک
طرف انگلی اٹھا کر کہا: ہاں سجنو! وہ مر گیا — دوسرے
دن پتہ چلا تھا وہ بھی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے کہ وہ
سمیت غذا کا شکار ہو چکا تھا — تو کیوں نہ سجنو! ہم اُسکی
موت پر ڈومنٹ کی خاموشی منائیں... بڑے بڑے نیاؤں
کی موت پر تو ہم خوشی خوشی مناتے ہیں اور ایک
دن کی تعطیل پاتے ہیں۔ آج... ایک دن کی تعطیل نہیں
ڈومنٹ کی خاموشی منائیں تاکہ اُسکو شانتی مل سکے جو عمر بھر گھورے
پر کوڑا کر دیتے ہوئے اُشانت رہا تھا۔“

یہ کہتے ہوئے سماج سدھارک خاموش ہو گیا
تو مجمع نے بھی اس کے ساتھ ڈومنٹ کی خاموشی منائی....
پھر جلسہ گاہ سے جمیع پھٹ رہا تھا تو وہ سب شانت تھے جیسے
انہوں نے اُس کی آتما کو صحیح معنوں میں شانتی دے دی ہو۔



انکم شکم دہی چٹا

راتوں رات وہ پوزیشن پارٹی کا سرگرم کارکن بن بیٹھا۔ پہلے وہ سلتوری تھا اور فٹ پاتھ پر عطائی دوائیں بیچا کرتا تھا۔ لیکن جب وہ فٹ پاتھ سے اونچا اٹھا تر اٹھتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ پوزیشن پارٹی کا سرگرم کارکن بن بیٹھا۔ پارٹی کی ایما پر ہی اسے پنخ پر اس لئے کھڑا کر دیا گیا کہ اس میں بات کرنے کا کافی سلیقہ ہے اور وہ پارٹی کی بات ممبروں کے سامنے بہتر انداز سے پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب اسے پنخ پر لا کھڑا کر دیا گیا تو اس نے اپنی بات

اس طرح شروع کی :

ہندو بھائیوں کو نمستے ! مسلمان بھائیوں کو سلام :
 اور سکھ بھائیوں کو ست سری اکال !!! — ہاں تو
 بھائیو ! مجھے اس لئے پیئخ پر لاکھڑا کر دیا گیا ہے کہ میں
 آپ کے سلمنے پارٹی کے آئندہ کاری کرم کے بارے میں
 کچھ بتاؤں۔ لیکن اس سے پہلے بھائیو ! میں اس بات کو
 بتانا بے حد ضروری سمجھتا ہوں کہ پارٹی کس طرح چلتی ہے۔
 بس یوں سمجھ لیجئے کہ پارٹی کو چلانے کے لئے بھی ایک
 ”جن“ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ جن بھی اس کا
 تابع رہتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ چراغ ہو۔ یعنی
 علاؤ الدین کا جادوئی چراغ، جس کی کہانی آپ
 پڑھ چکے ہیں۔

بھائیو ! آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ
 یہ میں کیا پرانا قصہ لے بیٹھا ہوں۔ لیکن بھائیو ! میں
 آپ کو مثال کے ذریعہ سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ
 جادو کا چراغ اب بھی موجود ہے۔ صرف اُسے چل
 کرنے کی ضرورت ہے۔

”لیکن کیسے — ؟“ کسی نے پوچھا :

”کیسے۔۔۔ میں بتلاتا ہوں بھائیو کہ اس کے لئے تو پتی کے زیور بیچنا پڑتا ہے، مکان گروی رکھنا پڑتا ہے، قرض لینا پڑتا ہے، بعد میں بھیگ مانگنا پڑتا ہے۔۔۔ قسمت نے ساتھ دیا تو سمجھئے جیت ہو گئی۔ ورنہ ہار کی صورت میں در بدر کی ٹھو کریں کھانا پڑتا ہے۔

”مطلب۔۔۔؟“ پھر کسی نے پوچھا۔
 مطلب صاف ہے بھائیو! لیکن یہ کریں
 ہی نہیں بتاؤں گا۔۔۔ یوں ہی نہیں دوں گا۔۔۔
 پہلے پتی کے زیور بیچئے، مکان گروی رکھائیئے، قرض لیجئے اور آئیئے میرے پاس۔ پیسوں کے ساتھ روپیوں کے ساتھ۔۔۔ ایک تھیلی میں لاکھ دو لاکھ روپے لے کر۔ ایک ہاتھ سے تھیلی دیجئے اور دوسرے ہاتھ سے گریجئے۔۔۔ یعنی ٹکٹ لیجئے اور الیکشن میں کھڑے ہو جائیئے۔۔۔ جیت ہوئی تو سمجھئے چراغ آپ کے ہاتھ میں۔۔۔ رگڑیئے اور لاکھوں کے کام بنائیئے۔۔۔ لاکھوں میں کھیلئے۔۔۔ کروڑوں میں تلئے۔۔۔ تو آئیئے بھائی صاحب۔۔۔

اسیے صاحبان — لیجئے۔ ایک ایک ٹکٹ کے
 دو دو لاکھ — ایک ٹکٹ کے دو لاکھ —
 ایک ٹکٹ کے دو لاکھ.....

دیکھتے ہی دیکھتے سارا مجمع اس پر ٹوٹ
 پڑا۔ اس کے پاس کے سارے ٹکٹ ہاتھوں ہاتھ
 بک گئے — اور وہ کروڑوں کی رقم سمیٹے پارٹی
 کے حق میں نیک تمناؤں کے ساتھ وہاں سے
 رخصت ہو گیا۔



دُعائے منفرت

اُس نے کئی شادیاں کیں اور ہر بیوی سے اُسے ایک ایک اولاد ہوئی اور بیویاں مرتی چلی گئیں۔ آخر جب وہ ادھیڑ عمر کا ہو گیا تو اُس نے ایک جوان عورت سے شادی کی۔ — جوان عورت سے اُسے کئی اولادیں ہوئیں اور اُس کا گھر جو آبائی تھا ناکافی ہونے لگا تو اُس نے پہلے کی تمام بیویوں کی اولادوں کو جو بڑے ہو چکے تھے گھر بدر کر دیا۔ اور آخر جوان بیوی اور بچوں کے ساتھ رہنے لگا۔

بالآخر اُس کی جوان بیوی کے بچے بھی بڑے
 ہو گئے اور وہ کافی بوڑھا ہو گیا تب اُس کی
 جوان بیوی اور بچوں نے سوچا..... گھر جو آبائی
 ہے اس کا تصفیہ کر لینا چاہیے گھر کے موجودہ
 وارث سے جوان کا باپ ہے۔ ہمیں ایسا نہ ہو کہ
 آئندہ کوئی جھگڑے کی نوبت آجائے اُن سے جو
 سوتیلی اولادیں ہیں۔ اور وہ یہ چاہتے تھے
 کہ مکان کے بارے میں اپنے باپ سے کچھ لکھالیں اپنے
 حق میں کہ ایک دن اچانک اس کا انتقال
 ہو گیا۔

انتقال کی خبر سن کر قبرستان میں بھی جمع
 ہو گئے۔ آخری بیوی کے بیٹے تو تھے ہی دوسری
 بیویوں کے بیٹے بھی آگئے۔

اُن میں ایک جو پہلی بیوی سے تھا۔
 وہ ہمیشہ نشے میں دھست رہتا تھا۔ اُسے پینے
 کی لت تھی۔ بغیر پیئے وہ ایک ڈو گھنٹے بھی
 نہیں رہ سکتا تھا۔

اُس وقت بھی وہ نشہ میں تھا جب

اُس کے باپ کو قبر میں اتارنے کا وقت آیا۔ وہ
 نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور بولا — ”ٹھہرو!
 میرے باپ کو ابھی قبر میں مت اتار دو — میں
 اُن کا بڑا بیٹا ہوں۔ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔
 اپنے باپ سے جس نے جس نے مجھے گھر سے
 نکال دیا تھا۔“ کہتے ہوئے اُس کی آواز روندھ گئی۔
 یہ سن کر سب پیچھے ہٹ گئے۔ آخری
 بیوی کے بچے بھی۔ لیکن اُن کے چہروں پر ناگواری
 کے اثرات اُگئے تھے۔

وہ سب کے سامنے ڈولے کا ہتھ پکڑ کر
 الٹ پلٹ مارے نیچے بیٹھ گیا۔ اور ڈولے پر
 سر رکھے روندھی ہوئی آواز میں دُعا غے مغفرت
 شروع کی :

”اے ! میرے باپ ! خدا — خدا
 تم کو معاف کرے۔ تم نے مجھ پر بہت ظلم ڈھلے۔
 میرے ساتھ کوئی انصاف نہ کیا۔ تم نے — تم
 نے مجھے در بدر کی کٹھن کرین کھانے گھر بدر کر دیا —
 میرا دل تو اُس وقت بہت دکھا تھا۔ لیکن میں کیا کرتا

— اس وقت میں تم سے حساب ملنے نہیں آیا ہوں، صرف دُعا کرنے آیا ہوں۔ اے میرے باپ! میری دُعا ہے کہ تمہاری کم از کم خدا سے نبھے اور وہاں تم انصاف سے رہو۔ بس یہی میری دُعا ہے" کہتے ہوئے اس نے اپنا آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا.....

آخری بیوی کی اولادوں کو غصہ آگیا....
 "یہ کیا تک ہے۔" اُن میں سے ایک نے غصہ سے کہا — "پہلے تو یہ پیٹے ہوئے ہیں اور پھر اُپر سے ہانک رہے ہیں۔ سر کی نہ پشیر کی۔"
 دوسرے لوگ بھی جو آخری بیوی کے خاندان سے تھے ہاں میں ہاں ملنے لگے...

تھوڑی دیر کے لیے وہاں موجود سب لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اس بارے میں کہ مرحوم کے اس بیٹے کو جو پیٹے ہوئے ہے زبردستی وہاں سے اُٹھا دیں کہ جلد ہی تدفین ہو — اور وہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے آگے بڑھے تھے کہ ایک آدمی جو غیر جانبدار تھا اور مرحوم کے خاندان سے نہیں بلکہ

مرحوم کا دوست تھا۔ بولا — ”رہنے دو۔
 اسے روکو نہیں — اسے بولنے دو — وہ سچ بول رہا
 ہے جوں کہ وہ پیا ہوا ہے — لوگ تو بغیر پیے
 بھی سچ نہیں بولتے۔“ کہتے ہوئے اُس نے آخری بیوی
 کے بچوں کی طرف دیکھا۔

اُسے یاد تھا کہ مرحوم اپنے آخری دنوں میں
 کسی دن جب کہ انہیں اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں
 رہا تھا۔ اُس کے سامنے وصیت کی تھی :

”میرا یہ مکان میری تمام اولادوں کے لئے
 ہے۔ اُن کے لئے بھی جن سے میں نے کوئی انصاف
 نہیں کیا۔ کیوں کہ میں مجبور تھا۔ اپنی آخری بیوی
 اور بچوں سے خدا مجھے معاف کرے اور مجھ
 پر رحم کرے — وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔“

تدفین کے کچھ ہی دنوں بعد اُس کے دوست
 نے خواب میں اپنے مرحوم دوست کو دیکھا۔ اس
 طرح کہ اُس کے چہرے سے نور پھلک رہا تھا۔ اور
 اس کے سر کے پیچھے نور کا ایک ہالہ سا بنا ہوا تھا۔

جس طرح چمکتے ہوئے چاند کے اطراف نور کا ایک ہالہ
سا بنا رہتا ہے — اور وہ اسی کی طرف انگلی اٹھائے
کچھ کہہ رہا تھا۔۔۔

نیند سے جا گئے کے بعد اُس نے اپنے ذہن
پر کافی زور ڈالا کہ اُس کے دوست نے اُس سے کیا کہا تھا،
یاد آجائے۔۔۔ لیکن کافی سوچ بچار کے باوجود بھی اُسے
کچھ یاد نہ آیا۔۔۔۔۔ ہاں ہر بار اُس کا ذہن قبرستان میں
ہوئے واقعہ کی طرف چلا جاتا۔ جہاں اُس کا بیٹا ڈولے
کے دستے کو پکڑے الٹ پلٹ مارے نیچے

بیٹھا۔ ڈولے پر سر رکھے اپنے باپ کے حق میں دعائے
مغفرت کر رہا تھا۔ اگرچہ اُس کے ساتھ بڑی ناانصافی
ہوئی تھیں۔

۱۲۲
 ۱۲۲

...

ہائے اپنا سوامی

اطلاع ملی ہے کہ —

حیدرآباد کے حالیہ فسادات، دراصل فسادات نہیں تھے بلکہ ایک کھلی سازش تھی۔ اور اس سازش میں کالے کپڑوں میں بلبوس جو غنڈوں نے حصہ لیا وہ دراصل اپنا سوامی کے ہر دل عزیز بھگت نہیں تھے بلکہ ”ہائے اپنا سوامی“ کے گرکھے تھے جو دنگے پھیلا کر حکومت کو بدل دینا چاہتے تھے۔

اَلٹ پھیر

لوگوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی

ہے کہ —————

مردم شہاری میں حکومت کے شائع کردہ

آنکڑے فہرست کے لحاظ سے یہ صحیح تو ہوتے

ہیں۔ لیکن فسادات میں آنکڑوں میں نہ صرف

اَلٹ پھیر ہو جاتی ہے بلکہ نام بھی شائع نہیں کئے

جاتے۔

(۳)

نا جائیز کاروبار

رات کا کرفیو جاری رہا....

لوگوں نے شکایت کی :

”اجی ! رات کے کرفیو کا تو پولیس خوب فائدہ

اٹھا رہی ہے۔ وہ روز راتوں میں تلاشی کے نام پر ہمارے

گھروں کے دروازے توڑ کر ہم کو لوٹ لے رہی ہے۔

اور جہاں مکانوں کے دروازے مضبوط ہوتے ہیں بھی۔

وہاں پولیس گھروں پر چڑھ کر کھسریلوں کو ہٹا کر گھروں

کے اندر سرقت کے سہ انداز میں داخل ہو کر اپنی جیبوں

کو گرم کر رہی ہے ————— یہ ہے جی ہماری پولیس

اور یہ ہے اس کا ناجائز کاروبار۔“



ظلم در ظلم

اطلاغ ملی ہے کہ ———

فسادات میں اقلیتوں کے جانوں کے ساتھ

مالی نقصانات بھی بہت ہوئے ———

اور گم فاریاں ——— !!

اقلیتوں کے نوجوانوں کی ہی ہوئیں۔

پولیس کی طرف سے وہ بھی ہزاروں کی تعداد

میں۔ تازن "ٹماڑا" کے تحت۔

آنکھوں پر پردہ

امن پورہ میں قتل ہوا۔ پولیس نے فوراً
کارروائی کی اور وہاں کے امن پسند مکینوں کے گھروں
کے دروازے توڑ کر وہاں کے کئی نوجوانوں کو گرفتار
کر لیا۔ جو بے قصور تھے۔

اسی دوران شانتی نگر میں بھی قتل ہوا
لیکن پولیس وہاں پھٹکی تک نہیں۔ بلکہ قاتل وہاں
کھلے عام دندناتے پھرتے رہے۔ شانتی کو بھنگ
کرتے ہوئے۔

اینٹ کا جواب اینٹ

ایک مقامی اردو روزنامے نے ایک بڑی سُرخ
کے ساتھ ”وجہ فسادات“ کی اندرونی رپورٹ شائع کر دی۔

اس کے دوسرے ہی دن حکومت کے دباؤ کے تحت
پولیس کی طرف سے اُس روزنامے کو ”وجہ نمائی ترٹس“ دی گئی کہ —
کیوں نہ پندرہ دن کے لئے روزنامے کو بند کر دیا
جائے۔ جس میں فسادات کی صحیح ڈھنگ سے رپورٹنگ نہ کی گئی۔“

روزنامے کی طرف سے پولیس کو جواب ملا :
”اگر صحیح ڈھنگ کا مطلب، رپورٹنگ سے
پردہ پوشی ہوتی ہے تو ہم نے کوئی غلطی نہ کی اس
راز کو فاش کر کے۔“

جادو وہ جو شر چڑھ کر بولے

اچانک کرنیو کے دوران رات کے سنڈے میں...
 جیسے بجزنگ بلی، ہر ہر مہادیو، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر.... کے
 فلک شکاف نعروں کے ساتھ ہی "بچاؤ! بچاؤ! ابا کی
 دہشت ناک آوازیں سن کر لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر
 نکل پڑے، پھونکنی، چمٹے لے کر، جس کے ہاتھ جو لگا وہ —
 لیکن پولیس نے ان تمام لوگوں کو کرنیو کی
 خلاف ورزی کرنے کے جرم میں گولیوں سے بھون دیا
 اور اس سفید ایبسیڈر کار کو چھوڑ دیا۔ جو ایسی
 دہشت ناک آوازیں کے کیسٹ بجا کر لوگوں کو گھروں سے
 باہر نکلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بلا ٹکٹ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اس سال بھی کرکٹ کے کئی مقابلے ہوئے مختلف شہروں میں — ان مقابلوں کو بلیک میں ٹکٹ خرید کر ان لوگوں نے بھی دیکھا جو کرکٹ کا 'الف بے' سے بھی واقف نہیں تھے۔

لیکن ہارجیت کا فیصلہ کسی بھی جگہ بارش کے سبب نہیں ہو سکا تو لوگ جھٹلا اٹھے۔ ان میں ایک شرابی جو نشہ میں بدست تھا آسمان کی طرف سراٹھائے بولا :

”واہ مالک ! تیرا بھی جواب نہیں۔ جہاں بھی میچ ہوا وہاں تو نے پانی سے بھرے بادل بھیج دئے

وہ بھی بلا ٹکٹ —“

انگریز کا بچہ

کرفیو سخت قسم کا تھا۔ ایک انگریزی اخبار کا
ہندوستانی نامہ نگار گورا چٹا، اسکوٹر پر سوار جیب میں کرفیو
پاس ٹھونسے بڑی شان سے دندنا ہوا روڈ پر سے گذر رہا تھا کہ
سڑک کے بچوں بیچ ایک گورکھے سپاہی نے اُسے
روک لیا۔

”اے! کدھر جاتا..... ٹھیرا دھر.....“
نامہ نگار جھٹکا گیا۔ اُس نے اسکوٹر روکی اور

سیٹ پر ہی بیٹھے بیٹھے انگریزی چھانٹی۔ جس کا مطلب

تھا ————— میں رپورٹر ہوں — اور یہ دیکھو میرے

پاس 'کرفیو پاس' بھی ہے —————

گورکھے کو انگریزی سے کیا مطلب — وہ تو

انگریزوں کو ازل سے ہندوستان کا دشمن سمجھتا تھا

غصہ سے اپنی لاٹھی اٹھائی ————— "اے تم انگریز

کا بچہ، ابھی ادھر ہمارا ملک نہیں چھوڑا — پھر سے

دنگا کرانا مانگتا ————— چل بھاگ یہاں سے —"

کہتے ہوئے اس نے لاٹھی اُدپر اٹھائی۔

نامہ نگار یکدم گھبرا گیا اور کرفیو پاس کو وہیں

پھینک کر اسکوٹر اسٹارٹ کر دی۔ تب تک گورکھے

کی لاٹھی ہوئی لاٹھی نامہ نگار کی پشت سے پھسل کر

اسکوٹر کی پچھلی نشست پر پڑ چکی تھی۔



حالیجے

صورِ انسانی

”دیکھو بھئی ! اب دو بدو کی لڑائی تلوار برچھوں
 حتیٰ کہ ایٹمی ہتھیاروں کا زمانہ بھی چلا گیا۔ اب تو صرف
 کیمیائی ہتھیاروں کا زمانہ آگیا ہے۔ جس میں لڑائی، شور شرابہ
 اور دھماکوں کے ساتھ بلڈنگوں کے ڈھے جانے کی کوئی آواز
 ہی نہیں ہوگی۔ — صرف اُن ہتھیاروں کے استعمال سے
 ساری انجینئری حتیٰ کہ انسانی پھینچڑوں سے بھی پلک جھپکے چوس
 لی جائے گی۔ اور ان بڑی خاموشی سے موت کی آغوش میں
 چلا جائے گا۔“

”میرے خدا !“ اس نے لرز کر کہا۔ یعنی کہ یہ ایسا
 ہارٹ نیل ہو گا جو قدرتی نہیں۔“

شرمِ تمام کو گم نہیں آتی

”جنگ کے دوران ملک نے جس کے مفاد
اس جنگ سے وابستہ تھے اس نے اعلان کیا کہ وہ
ان تمام ممالک کو جو اس کی جنگی پالیسیوں کی مذمت نہیں بلکہ
مدافعت کریں گے وہ ان تمام ممالک کی امداد میں اضافہ کرے گا۔“
”ارے۔ وہ اضافہ کہاں سے کرے گا۔ یہ تم نے
نہیں سوچا۔ وہ تو دیو کی ناک کاٹ کر دیو کو چڑھائے گا۔
جانتے ہو ان تمام ممالک کی کدھی زمینی دولت کے چشمے
تو خود اس کے قبضے میں ہیں۔“

نہ رہے پاس نہ بجے پانسری

جنگ میں ہزاروں کی تعداد میں انسانی جانوں کے ضائع ہونے کے اندیشوں کے تحت ملک میں تابوتوں کی مانگ میں زبردست اضافہ ہو گیا اور دن رات کارخانوں میں دھڑا دھڑا تابوت بننے لگے۔ لیکن ان کے پکنے کی ذبت آنے سے قبل ہی کارخانوں پر — فوجوں کی طرف سے ایسی زبردست بمباری ہوئی کہ کارخانوں کے ساتھ تمام مزدور اور سارے تابوت جو بن کر تیار رکھے ہوئے تھے، پکنے کے لیے، ساتھ ہی فنا ہو گئے۔



شاہ شہلائی کا

ملک و کی طرف سے ٹی۔ وی پر جنگی
 پروگنڈہ میں پہلے سمندر بتلایا گیا جس کا پانی پیٹرول
 آلود ہو کر گاڑھا اور زہریلا ہو گیا تھا۔
 پھر بتلایا گیا کہ اس میں کس طرح آبی پرندے
 دم توڑ رہے ہیں۔۔۔۔۔

کلابھون کی پانچویں منزل کے ایک کمرے میں بیٹھے
 ہوئے چند دوست ٹی وی پر اس روج فرسا منظر کو دیکھتے

ہوئے دم بہ خود رہ گئے۔

ساتھ ہی کمرے میں ٹی۔وی کے بازو رکھا ہوا ریڈیو بھی چل رہا تھا جو ملک ب کی خبریں نشر کرتے ہوئے دھاڑ رہا تھا کہ کل کس طرح درمیانی شب فوجوں نے علین شہری علاقوں، ہسپتالوں اور اسکولوں پر زبردست بمباری کی جس سے کئی بلڈنگیں زمین دوز ہو گئیں اور ہزاروں شہری بچے، بوڑھے، عورتیں شہید اور زخمی ہو گئے۔

لیکن کلابھون کی باپخویں منزل کے اُس کمرے میں بیٹھے ہوئے یہ چند دوست بوٹی۔وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ ریڈیو بھی سن رہے تھے اُن پر اس روح فرسا خبر کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا بلکہ اُن میں سے ایک نے اٹھ کر ریڈیو کا گلہ دیا دیا۔ جہاں سے ملک ب کی خبریں نشر ہو رہی تھیں.... پھر وہ سب ٹی۔وی کے اور قریب کھک آئے جس پر ملک ب کی طرف سے جنگی پردیگنڈہ میں آبی پرندوں کو سمندر میں دم توڑتے ہوئے بتلایا جا رہا تھا....



حرفِ آخر

میری یہ کہانیاں یا ان میں کی کوئی ایک کہانی بھی
 کسی کو بُری لگی ہے تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ وہ اس درسِ
 سائنس کو بھلا بیٹھے ہیں جو انہیں اسکول میں دیا گیا تھا۔
 اب ایک نیا درس جو انہیں مکتبِ سیاست سے
 یا جا رہا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک گن میں بارود بھری جا رہی
 ہے۔ اور اتنی ٹائٹ بھری جا رہی ہے کہ گن تو گن سارا ملک ہی
 اس کے دھماکے سے اڑ سکتا ہے علاوہ ازیں جو لٹریچر
 الب علموں کو درس گا ہوں میں پڑھایا جا رہا ہے وہ نفرت کی تعلیم کے سوا اور
 یاد دے سکتا ہے خود ا بچائے اس ملک کو۔
 نفرت کے بڑھاوے سے پہلے ملک تقسیم ہوا تھا۔ اب مزید بڑھاوے
 نے محلوں کی تقسیم شروع کر دی ہے۔ بڑے بوڑھوں نے ٹھیک ہی کہا ہے
 اداں کی دوستی جی کا بجنال“ معلوم نہیں یہ نادان سیاست داں کب ہوش
 بے ناخن لینگے۔

زمبرہ مسحور
۹۱۲-۳۰-۲۰ شاہ گنج پورک
حیدرآباد-۲ (آندھرا پردیش)

قارئین کے نام

محترم قارئین :

یہ کہانیاں جو آپ نے پڑھیں، بغور پڑھیں، ہو سکتا ہے
ایک ہی کہانی کو دو چار بار بھی پڑھے ہوں گے۔ تو ان کہانیوں میں جو کہانی
آپ کو سب سے زیادہ اچھی لگی۔ اور جو سب سے زیادہ بُری لگی۔
اس کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہوئے اپنی رائے سے نوازیں۔ ہو سکتا
ہے آپ کی یہ رائے آئندہ کسی وقت میرے کام آئے۔
اشاعت کی غرض سے جو کسی وقت بھی ہو سکتی ہے آئندہ کے
ایڈیشن کے لئے۔

شکریہ

زمبرہ مسحور